نہارِ شریعت
شرح
بہارِ شریعت
حصہ اول
(عقائد متعلقہ ذات وصفاتِ باری تعالی)
مصنّف
صدر الشریعہ مفتی
محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ
شارح
ابوتراب مولانا
محمد عرفان مدنی سلمہ القوی

تقریظ

شیخ الحدیث والتفسیر، جامع المعقول والمنقول

حضرت علامہ مولانا جمیل احمد نعیمی سلمہ القوی

دینِ اسلام ایک ایسا دین ہے جو کامل واکمل اور فطرت کے مطابق ہے اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:اَلْیَومَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُم وَاَتْمَمْتُ عَلَیکُمْ نِعْمَتِی وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنا. (المائدہ)

ترجمہ: آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کردیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کردی اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا۔

اس آیتِ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ تمام اَدیان میں دینِ اسلام ہی کامل و جامع ہے کہ جس کے ساتھ مولائے کریم نے یہ خوشخبری سنائی کہ اے بندو یہ صرف تمہارا ہی پسندیدہ دین نہیں ہے بلکہ میں بھی اس کو پسند کرتا ہوں، یہی وجہ ہے پیدائش سے لیکر موت اور اس کے مابعد تک تمام حالات و واقعات میں ہماری رہنمائی کرتا ہے جس میں عقائد، اعمال اور معاشرتی مسائل میں بھی دستگیری کرتا ہے۔

ہمارے عزیز محترم علامہ ابوتراب محمد عرفان قادری زید مجدہ نے عقائد کے موضوع پر ایک کتاب تالیف فرمائی ہے جس میں موصوف نے نہ صرف توحید وشرک کے اہم موضوع پر کلام فرمایا ہے بلکہ ''بہارِ شریعت اور دیگر علماءِ متقدمین اور متاخرین نے جو تحریریں فرمائیں ہیں اس میں جو اصطلاحات اور مشکل الفاظ بیان کئے گئے تھے اس کی تشریح بھی کردی گئی ہے، یہ وقت کی اہم ضرورت ہے کہ توحید وشرک کے مسئلے کو عوام میں متعارف کروایا جائے کیوں کہ آج کل بعض گستاخ اور بے ادب

قرآن وحدیث کی آڑ لیکر امتِ مسلمہ کی اکثریت کو کافر ومشرک بنانے میں تلے ہوئے ہیں۔

اَحقر کی نوجوان پڑھے لکھے علماء سے اپیل ہے کہ توحید وشرک کی حقیقت کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ جو اسلاف واکابر کے عقائد، معمولات ہیں ان کی زیادہ سے زیادہ تحریر وتقریر کے ذریعے اشاعت کریں، کیوں کہ آج کل نام نہاد توحید کا دعوی کرنے والوں نے شرک وکفر کو اتنا سستا کردیا ہے کہ آلو، پیاز اور ٹماٹر بھی اتنے سستے نہیں ہیں۔

اللہ تبارک وتعالی اپنے محبوبِ مکرم ﷺ کے صدقے ان گستاخ بے ادب خارجی دہشت گردوں سے بالعموم عالمِ اسلام اور باشندگانِ پاکستان کو محفوظ ومامون فرمائے **آمین ثم آمین بجاہ حبیبہ الامین**

احقر اپنی علالت اور مصروفیت کی وجہ سے از اول تا آخر مطالعہ نہ کرسکا لیکن چند جستہ جستہ مقامات کے بعد یہ سطور تحریر کردی گئیں، احقر عزیز مولانا ابوتراب محمد عرفان صاحب قادری کو دل کی گہرائیوں سے مبارک باد پیش کرتا ہے اور دعا گو ہے کہ اللہ رب العزت اپنے حبیب ﷺ کے طفیل ان کی محنت وکاوش کو منظور ومقبول فرماتے ہوئے اِن کو اور اِن کے اہلِ خانہ کو صحت وعافیت، سلامتی ایمان کے ساتھ قائم ودائم رکھے آمین۔

احقر جمیل احمد نعیمی ضیائی غفرلہ
استاذ الحدیث وناظمِ تعلیمات،
دارالعلوم نعیمیہ بلاک 15
فیڈرل بی ایریا کراچی

28 شوال المکرّم 1433ھ
موافق: 16 ستمبر 2012ء

تقریظ

عاشقِ احمد رضا خان، مقررِ شعلہ بیان، مجاہدِ زمان، فاضل نوجوان، ابن سید شاہ تراب الحق

حضرت علامہ مولانا سید **شاہ عبد الحق** قادری نوری دامت برکاتہم العالی

بہارِ شریعت فقہِ اسلامی کا وہ خزانہ ہے کہ تادمِ تحریر مسلمانانِ ہندو پاک اس کی نظیر پیش نہ کر سکے......انتہائی سلیس طرزِ بیاں گویا کہ قاری کو محسوس ہوتا ہے کہ خود صاحبِ بہارِ شریعت سامنے بٹھا کر سمجھا رہے ہوں......اور......ایسا کیوں نہ ہوتا جبکہ خود سیدی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے اسے شرفِ قبولیت عطا فرمایا......یہی وجہ ہے کہ یہ کتاب برسوں برِّ صغیر کے مسلمانوں کی مشکلات حل کرتی رہی، پھر زمانہ کی اقدار بدلیں اور اردو زبان نئے الفاظ معانی سے مزین ہوئی، کچھ الفاظ متروک ہوئے تو کچھ جدید الفاظ شاملِ زباں ہوئے یہاں تک کہ موجودہ مسلمانوں کی دین سے دوری، انگریزی زبان کا کثرتِ استعمال اور متروکہ الفاظ کی وجہ سے یہ ضروری ہوگیا کہ ہم اپنے اسلاف کی کتب عام پڑھے لکھے لوگوں تک پہنچانے کے لئے ان کتابوں میں موجود الفاظ کو نئے جامے پہنائیں، انہیں موجودہ مسلمانوں کی زبان و گفتگو کے مطابق معانی میں ڈھالیں، مشکل الفاظ کے معانی......ان کی وضاحت و تشریح جو اس دور سے مطابقت رکھتی ہو پیش کریں تاکہ مسلمان پھر سے بصدِ شوق دینی کتابوں کا مطالعہ کریں اور اپنی عاقبت سنواریں۔

مجھے خوشی ہے کہ اہل سنت کے نوجوانوں میں یہ جذبہ پھر سے بیدار ہونے لگا ہے وہ

پھر سے دین کی خدمت کے لئے کمر بستہ ہونے لگے ہیں اس کی مثال یہ کتاب ہے جو کہ بہارِ شریعت کے پہلے اور انتہائی اہم ترین حصہ کی تسہیل و تخریج پر مشتمل ہے...... ماشاء اللہ شارِح جناب ابو تراب مولانا عرفان صاحب قادری نے بڑی جانفشانی سے اس حصہ کو آسان بنانے کی کوشش کی ہے اور اسے جدید الفاظ و معانی اور وضاحت سے مزین بھی کیا ہے اس کے علاوہ اس کی تخریج بھی کی ہے جو یقیناً ایک محنت طلب کام ہے۔

اللہ تبارک وتعالی اپنے حبیبِ لبیب ﷺ کے صدقہ و طفیل موصوف کی سعی کو قبول فرمائے اور انہیں مزید دین کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔

3 صفر المظفر 1433ھ

موافق: 17 نومبر 2012ء

از قلم:

سید شاہ عبدالحق نوری

مہتمم: دار العلوم مصلح الدین

مصلح الدین گارڈن جوڑیا بازار کراچی

﴿......ابتدائیہ......﴾

ایک مسلمان کے لئے بنیادی طور پر جن علوم کا سیکھنا لازمی وضروری ہے ان کی تین قسمیں ہیں :......()علمُ الکلام ......()علمِ فقہ ......() علمِ تصوف.

اِن تینوں علوم میں سے سب سے زیادہ اہم اور اَولین ترین فریضہ علم الکلام (یعنی عقائد کا علم) ہے مثلاً اللہ کی ذات وصفات، نبوت ورسالت، ایمان وکفر، جنت ودوزخ، حشر ونشر، جن وملائکہ وغیرہ...... یہ وہ موضوعات ہیں جن کا علم سیکھنا ہر عاقل بالغ مسلمان پر فرضِ عین ہے۔

حصولِ علمِ عقائد کے بغیر خدانخواستہ ایمان خطرے میں پڑ سکتا ہے، کیونکہ ایک مسلمان کو جب یہ معلوم ہی نہیں ہوگا کہ مجھے اللہ کی ذات وصفات، نبوت ورسالت وغیرہ کے بارے میں کیا عقید رکھنا ہے تو اس کے عقیدہ کی درستی کیونکر ہو سکے گی ......یقینی سی بات ہے کہ ناواقفیت کی بناء پر مسلمان باطل نظریات کو بھی اپنا عقیدہ بنا سکتا ہے......لہذا ہر ایک بذاتِ خود تحفظِ ایمان کے سلسلے میں اسلامی عقائد نہ صرف خود سیکھے بلکہ اپنے اہلِ خانہ، عزیز ورشتہ دار، متعلقین ومحبین کو بھی سیکھنے کی ترغیب دلائے۔

علمِ عقائد سیکھنے کا ایک بنیادی اور بڑا ذریعہ کتبِ عقائد ہیں......اس موضوع سے متعلقہ اُردو زبان میں کئی کتب تحریر کی گئیں......ان تمام میں بہارِشریعت مستند ومعتبر ہونے کے لحاظ سے ایک امتیازی حیثیت کی حامل ہے......اس کے علاوہ برِصغیر پاک وہند میں اسے بہت زیادہ شہرت بھی حاصل ہے......عوام ہوں یا خواص ہر طبقہ بہارِشریعت کو نہ صرف پسند کرتا ہے بلکہ بالاستیعاب مطالعہ کرنے کا ذوق بھی رکھتا ہے......لیکن موجودہ دور میں ہر ایک بہارِشریعت سے استفادہ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا......وجہ یہ ہے کہ صاحبِ بہارِشریعت نے اپنے زمانہ کے حساب سے کتاب کو عام فہم انداز میں لکھنے کی کوشش کی تھی......اوراب تغیرِ زمانہ کے حساب سے ہر شخص کے لئے تفہیمِ بہارِشریعت ایک مشکل امر بن چکا ہے بالخصوص عقائدِ اسلامی سے متعلق حصہ اول بعض مقامات پر دقیق ابحاث پر مشتمل ہے۔

لہذا ضرورت اس امر کی تھی کہ بہارِ شریعت کو عصرِ حاضر کے تقاضوں کے موافق عام فہم کر کے عوام کے ہاتھوں دے دیا جائے تا کہ عوام اس کتاب سے کامل طور پر فیضیاب ہو سکے......اس ضرورت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے راقم الحروف نے اس کے پہلے حصے کے ایک موضوع **''اللہ کی ذات و صفات''** سے متعلقہ عقائد کی شرح کرنے عزم کیا اور اللہ کے فضل و کرم سے یہ کام پائے تکمیل تک پہنچ کر آپ کے ہاتھوں میں موجود ہے......

قارئین سے عرض ہے کہ اس کتاب کو بالاستیعاب مطالعہ فرمانے کے ساتھ ساتھ مجھے دعاؤں میں ضرور یاد رکھیں اللہ تبارک وتعالی میری اس ادنی سعی کو اپنی اعلی وارفع بارگاہ میں شرفِ قبولیت عطا فرمائے۔

ابوتراب **محمد عرفان** مدنی غفرلہ

نوٹ:۔

جو صاحب اس کتاب کو شائع کرنا چاہیں وہ اس نمبر پر رابطہ کریں **0311-2699260** ...... **0322-2832270** ......یا پھر اس ای میل ایڈریس پر بھی رابط کر سکتے ہیں۔ **abuturabmadani@gmail.com** ......نیز **mail** یا **sms** کے ذریعے اپنی آراء کا اظہار بھی کرتے رہیں۔

عقیدہ نمبر 1......اللہ ایک ہے،کوئی اس کا شریک نہیں،نہ ذات میں،نہ صفات میں ،نہ اَفعال میں،نہ اَحکام میں،نہ اَسماء میں،وَاجِبُ الْوُجُوْدُ ہے،یعنی اس کا وجود ضروری ہے، عَدَم مُحَال ،قدیم ہے یعنی ہمیشہ سے ہے،اَزَلی کے بھی یہی مَعْنٰی ہیں،باقی ہے،یعنی ہمیشہ رہے گا اور اِسی کو اَبَدِیُ بھی کہتے ہیں وہی اِس کا مُسْتَحَقّ ہے کہ اُس کی عبادت و پَرِسْتِشْ کی جائے۔

مُشکل اَلفاظ:......اَفْعَال فِعل کی جمع (کام،کرنا)......اَحْکَام (حکم کی جمع)......
......اَسْماء:اسم کی جمع (نام)......عَدَمْ:(موجود نہ ہونا)......مُحَال:(ناممکن)......
......مُسْتَحَقّ (حقدار ہونا)......پَرَسْتِشْ (عبادت،پوجا)

خلاصہ :اللہ عزوجل ایک ہے اور ذات وصفات واَفعال واَحکام واَسماء میں اس کا کوئی بھی شریک نہیں ہے، اس کے موجود ہونے کے لئے کوئی سبب و علت نہیں ہے (یعنی وہ از خود موجود ہے)خدا کا وجود نہ ہو یہ ناممکن ہے وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا اور یہ اسی کے **شَایَانِ شَان** ہے کہ اُس کی عبادت کی جائے۔

☆☆تَشریح وتَوضِیح☆☆

اللہ عزوجل ایک ہے:-

اللہ تبارک وتعالی نے پارہ 30،الاخلاص آیت 1 میں ارشاد فرمایا:

☆ **قُلْ هُوَا للّٰهُ اَحَدٌ**......

تَرْجَمَه:تم فرماؤ وہ اللہ ہے وہ ایک ہے۔

☆وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِد ط لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ......(پ،2،البقرة،163)

تَرْجَمَہ: اور تمہارا معبود ایک معبود ہے،اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

حاشیہ صاوی سورۃ الاخلاص آیت نمبر(1) کے تحت لکھا ہے:

اور اللہ تبارک وتعالی ذات وصفات وافعال میں اپنی شبیہ،نظیر،اور مثل سے پاک ہے۔

(الحاشیة الصاوی،2/ 2451) یعنی اس جیسا کوئی نہیں ہے۔

بخاری کی روایت ہے:

جب رسول کریم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالی عنہ کو یمن کی طرف بھیجا،تو ان سے فرمایا: کہ تم اہل کتاب میں سے ایک قوم کے پاس جارہے ہو،اس لئے سب سے پہلے انہیں اس کی دعوت دینا،''کہ وہ اللہ کو ایک مانیں''۔(صحیح بخاری ،جزء6ص2685 مکتبة الشاملہ)

☆......عقیدۂ توحید اور اس کی وضاحت......☆

شرعی اعتبار سے یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالی اپنی ذات (Personality) اپنی صفات(Qualities)اور جملہ اَوصاف و کمالات میں یکتا و بے مثال ہے اس کا کوئی ساجھی یا شریک نہیں،کوئی اس کا ہم پلہ یا ہم مرتبہ نہیں،یہ ''عَقِیدَۂ تَوحِیدْ'' کہلاتا ہے۔

تَوحِیْد کا لُغَوِیْ مَعنٰی :...... لَفْظِ تَوْحِیدْ''وَحْدَتْ'' سے بنا ہے جس کا معنی ہے:ایک کو ماننا اور ایک سے زیادہ ماننے سے انکار کرنا ہے۔

اِصْطِلَاحِی مَفْھُوم:...... اسلام میں عقیدۂ توحید سے مراد یہ ہے کہ اس بات پر پختہ یقین رکھنا اور اسے کھلے دل سے تسلیم کرنا،کہ اس ساری کائنات کی خالق و مالک،قادرِ مطلق،اور مختارِ کل ایک ہی برتر واعلی ذات ہے،جو اپنی ذات وصفات اور اختیارات واقتدار میں یکتا ہے،اختیار و اقتدار میں اس کا کوئی ثانی نہیں،اور صرف وہی عبادت کے لائق ہے،قرآن وحدیث میں اس کا ذاتی

نام ''اللّٰہ'' آیا ہے،اورصفاتی نام بے شمار ہیں۔

امام عمر بن محمد النسفی (مُتوفّٰی537ھ) ''مَفھومِ توحید'' کے بیان میں لکھتے ہیں:

عالم کو وجود عطا کرنے والی ذات اللّٰہ تبارک وتعالی ہی کی ہے، وہ جو کہ .واحد ہے،قدیم ہے،ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے،قدرت رکھنے والا ہے،جاننے والا ہے،سننے والا ہے،دیکھنے والا ہے،چاہنے والا ہے،ارادہ کرنے والا ہے۔

مزید آگے فرماتے ہیں: کوئی چیز بھی اس سے مشابہت نہیں رکھتی،اورکوئی چیز بھی اس کی قدرت اوراس کے علم سے خارج نہیں (ہر چیز اس کے احاطے میں ہے لیکن اس کی ذات ہر چیز سے ماوراء ہے)(**العقیدۃ النسفیۃ:ص2**)

امام محمد بن غزالی علیہ رحمۃاللہ الوالی (مُتوفّٰی505ھ) عقیدۂ توحید کی وضاحت میں فرماتے ہیں:

بیشک اللّٰہ تعالی اپنی ذات میں واحد ہے،جس کا کوئی شریک نہیں، یکتا ہے جس کی کوئی مثل نہیں، بے نیاز ہے جس کی ضد نہیں،منفرد ہے جس کی مانند کوئی نہیں،وہ ایسا واحداورقدیم ہے،جس کا اول کوئی نہیں،وہ ازل سے ہے جس کی کوئی ابتداء نہیں،اس کا وجود ہمیشہ باقی رہنے والا ہے،جس کا کوئی آخر نہیں،وہ ابدی ہے جس کی کوئی انتہاء نہیں، ہمیشہ قائم اور باقی رہنے والا ہے،جس میں کوئی انقطاع نہیں۔(**قواعد العقائد،ص7مکتبۃ الشاملۃ**)

کوئی اُس کا شریک نہیں:۔

☆**لَا شَرِیْکَ لَہٗ**(پ8،الانعام،163) **تَرْجَمَہ:** اس کا کوئی شریک نہیں۔

بخاری شریف میں ہے:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں: سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: اے معاذ! کیا تمہیں معلوم ہے کہ اللہ ﷻ کا اس کے بندوں پر کیا حق ہے؟ انہوں نے کہا: کہ اللہ ﷻ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں: فرمایا: (کہ اللہ ﷻ کا اس کے بندوں پر حق) یہ ہے کہ وہ صرف اسی کی عبادت کریں، اور اس کا کوئی شریک نہ ٹھہرائیں۔

(صحیح بخاری ،جزء6ص 2685 مکتبة الشامله)

☆......شِرْك کا لُغوِیْ وشَرعِی مَفهُوم......☆

لُغوِی مَعنٰی :لَفظِ "شِرک" شرکت سے بنا ہے جس کے معنیٰ ہیں کہ اللہ تعالٰی کی ذات یا اس کی صفات میں غیر کو شریک مانا جائے۔

صاحب لسان العرب لکھتے ہیں:

"شِرْکَةٌ اور شَرِکَةٌ کا معنی دو شریکوں کا ایک چیز میں ملنا ہے، جیسے کہا جاتا ہے: ہم شریک ہوئے ،یعنی آپس میں ہماری شراکت ہوئی، اور دو شخص باہم شریک ہوئے، یعنی دونوں میں شراکت ہوگئی، اور ایک، دوسرے کے ساتھ شریک بن گیا" (ابن منظور،لسان العرب:448/10)

شَرعِی مَفہُوم :ائمہ عِلْمُ الْکَلامْ اور ائمہ لُغتْ نے شرک کا شرعی واصطلاحی مفہوم درجِ ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے چنانچہ: علامہ سعد الدین تفتازانی علیہ رحمۃ لکھتے ہیں:

"مجوسی (یعنی آگ کی پوجا کرنے والوں) کی طرح کسی کو واجب الوجود سمجھ کر اُلوہیت میں شریک کرنا، یا بتوں کی پوجا کرنے والوں کی طرح کسی کو مُستَحِقِّ عِبَادَتْ (یعنی عبادت کا حقدار) سمجھنا، اِشراک (یعنی شرک کرنا) کہلاتا ہے" (تفتازانی ،شرح العقائد النسفی:ص 61)

نہ ذات میں (کوئی شریک ہے):۔

ذات میں کوئی شریک نہیں ہے یعنی اس کی ذات کی مثل کوئی بھی نہیں ہے......مثلاً: ہم اپنی ذات کے قیام کے سلسلے میں گوشت پوست، ہڈیوں چربی وغیرہ کے محتاج ہیں، دیکھنے کے لئے آنکھ کے محتاج، سننے کے لئے کان کے محتاج، سوچنے اورارادہ کرنے کے لئے عقل وخرد کے محتاج ہیں، ہماری طرف اشارہ کیا جاسکتا ہے، ہم فنا ہوسکتے ہیں، لیکن لَیسَ کَمِثْلِہ شَیْئی......یعنی: اس جیسا کوئی نہیں۔ کہ نہ اس کا گوشت اور ہڈیاں ہوسکتی ہیں، نہ وہ جگہ میں محدود رہ سکتا ہے، نہ اسکی طرف اشارہ کیا جاسکتا ہے، نہ ہی فنا ہوسکتا ہے......تو اللہ تعالی کی ذات ایسی ہے کہ جس کے ساتھ کوئی بھی شریک ہو ہی نہیں سکتا......

یاد رہے! ہر شے کا تصور قائم کیا جاسکتا ہے، لیکن ذاتِ باری تعالی کا تصور قائم نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ اللہ تعالی کی ذات کا انکشاف کسی پر بھی نہیں ہوا اور نہ ہوسکتا ہے اور نہ ہی ذاتِ باری تعالی کے بارے میں غوروفکر کرنا چاہئے کیونکہ ہمارے نبی کریم ﷺ نے ذاتِ الٰہی کے بارے میں تفکر سے منع فرمایا ہے چنانچہ حدیث پاک میں آتا ہے:

تَفَکَّرُوْفِیْ اٰلآءِ اللّٰہِ وَلَا تفکّرُ وْ فِیْ ذَاتِ اللّٰہِ فَتَھْلِکُوْا

یعنی: اللہ عزوجل کی نعمتوں میں غوروفکر کرو اور اس کی ذات میں فکر نہ کرو کہ ہلاک ہوجاؤ گے۔(مُلَخَّصاً، کنزالعمال،الحدیث ،**5702** جلد**3** صفحہ **47**)

بعض یونیورسٹیز ، کالیجز میں طلباء کو اللہ کی ذات کے بارے میں غورفکر کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے یہ سخت ناجائز اور ایمان کے لئے زہرِ ہلاہل ہے، لہذا جو شخصیات اس طرح کا درس دیتی ہوں انہیں مذکورہ حدیث پاک سنا کر احسن انداز میں سمجھایا جائے کہ ذاتِ باری تعالی کا تصور قائم

کرنے منع کیا گیا ہے کیونکہ ہم نے اللہ سبحانہ وتعالی کو دیکھا ہی نہیں ہے جب دیکھا ہی نہیں تو اس کا تصور کس طرح قائم کیا جاسکتا ہے......معلوم یہ ہوا کہ عدمِ تصور کے لحاظ سے بھی اللہ تعالی کی ذات انتہائی یکتا ہے تو اللہ کی ذات میں کوئی شریک نہیں ہوسکتا۔

نہ صفات میں (کوئی شریک ہے):۔

ذات کی مثل صفاتِ رَبُ العلی میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں یعنی مخلوق کی صفات اللہ رب العزت کی صفات کی مثل نہیں ہوسکتیں، مخلوق کی صفات کو بعینہ اللہ کی صفات کی مثل قرار دینا شرک ہوگا، مثلاً: ہمارا ایمان ہے کہ وُہی رَازِقِ حَقِیقِی (Sustainer) ہے یعنی حقیقی رزق دینے والا وہی ہے، وہی خَالِقِ حَقِیقِی (Creator) ہے، وہی مَالِکِ حَقِیقِی، قَادِرِ مُطْلَق، اور مُختَارِ کُل ہے، وہی حقیقی مددگار ہے......اب اگر کوئی شخص مخلوق کو اللہ کی مثل رازق کہے، اس کی مثل مالک کہے یا مخلوق میں سے کسی کی صفت کو بعینہ اللہ کی صفت قرار دے تو ایسا شخص مشرک کہلائے گا۔

لہذا عقیدہ یہ ہونا چاہئے کہ اس ظاہری دنیا میں جن چیزوں سے ہمارا واسطہ پڑتا ہے وہ محض عِلَلَ وُاَسبَابِ ظاهِری (Cuases) ہیں، اِن اَسباب کی خود کوئی حیثیت نہیں ہے یعنی یہ خود کوئی مُسَبِّب، مُوَثِّر نہیں ہیں بلکہ ان کے پیچھے مُوَثِّرِ حقیقی (Effective) صرف اور صرف اللہ کی ذات ہے اور وہی مُسَبِّبُ الْاَسْبَاب ہے۔

اعتـــراض: اہلسنت وجماعت، نبی کریم ﷺ کے لئے علم غیب مانتے ہیں......آپ کو مشکل کشا، حاجت روا، دَافِعُ البلاءِ وَالوَباء، داتا، وغیرہ مانتے......تمام کائنات میں آپ کا تصرف مانتے ہیں، اور اسی طرح کی دیگر صفات آپ کے لئے تسلیم کرتے ہیں، حالانکہ یہ صفات تو اللہ تعالی کی ہیں، تو کیا اہلسنت شرک کے مرتکب نہیں ہونگے؟

جـــواب: جی نہیں اہل سنت شرک کے مرتکب نہیں ہونگے کیونکہ شرک کا اِرتکاب تو اس

وقت ہوتا جب اہل سنت نبی کریم ﷺ کی صفات کو بعینہ اللہ ﷻ کی صفات کی مثل مانتے جبکہ اہلسنت یہ کہتے ہیں اللہ ﷻ تعالی کی تمام صفات چار (4) خوبیوں سے مُتَّصِفْ ہیں:

نمبر (1) **قدیم**: یعنی جو ہمیشہ سے ہو......

(اس کے مقابلے میں لفظِ ''حادث'' آتا ہے)

﴾......حادث: یعنی جو چیز پہلے موجود نہ ہو بعد میں معرض وجود میں آئی ہو......﴿

نمبر (2) **ذاتی**: جو چیز کسی کی دی ہوئی نہ ہو اسے ذاتی کہتے ہیں

......اور...... کسی کی دی ہوئی شے کو عطائی کہتے ہیں......

نمبر (3) **غیر فانی**: جو کبھی فنا نہ ہو سکے۔

نمبر (4) **لا مَحدود**: جس کی کوئی حد نہ ہو۔

جبکہ مخلوق کی صفات...... حادث، عطائی، فانی اور محدود ہیں۔

خلاصہ یہ ہوا کہ

اللہ ﷻ تعالی کی صفات قدیم ہیں............ اور ہماری حادث

اسکی صفات غیر فانی................ اور ہماری فانی

اس کی صفات ذاتی................ اور ہماری عطائی

اسکی صفات لامحدود................ اور ہماری محدود

اسی بنیاد پر اہل سنت کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی تمام صفات حادث، عطائی، محدود ہیں اور ان پر فنا کا واقع ہونا بھی ممکن ہے اگر چہ فنا کا وقوع نہیں ہوگا ......لیکن اللہ تعالی کی تمام صفات، قدیم، ذاتی، لامحدود اور غیر فانی ہیں، لہذا یہاں سے شرک کا تصور بلکل ختم ہو گیا اور معلوم یہ ہوا کہ رب کائنات کا کسی صفت میں کوئی کوئی شریک نہیں ہے اور نہ ہی ہو سکتا ہے۔

نہ اَفعال میں (کوئی شریک ہے):۔

رب تعالی کے اَفعال میں کوئی بھی شریک نہیں ہے......اور......کوئی شریک ہو بھی نہیں سکتا......مثلاً: اللہ کی ایک صفت **"رزق دینا"** بھی ہے اور ربِ کائنات پوری دنیا **(world)** کے اندر بے شمار مخلوقات کو روزانہ ایک وقت میں سب کو رزق عطا فرما رہا ہے......مخلوق چاہے چھوٹی ہو یا بڑی، جمیل سمجھی جاتی ہو یا رذیل، بحری ہو یا بری، اڑنے والی ہو یا چلنے والی، شکاری ہو یا غیر شکاری، غرض ہر ایک کو اس کے مقام پر اس کے مزاج کے مطابق مقررہ مقدار میں رزق دیا جا رہا ہے۔ حالانکہ ہم تھوڑا سا غور کریں!......کہ اگر بالفرض ہم کو اپنے علاقے کا نظام دے دیا جائے اور یہ کہہ دیا جائے کہ علاقے میں رہنے والے تمام انسان، جانور، چرند، پرند، کیڑے مکوڑے، سب کا کھانا ہم آپ کو دیں گے، بانٹنا آپ کا کام ہے......ذرا سوچئے! کہ کیا ہم ہر ایک تک کھانا پہنچا سکیں گے......یقینی سی بات ہے کہ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا اگر ہم صرف اپنے گھر کی چیونٹیوں کو ہی غذا بانٹنے میں لگ جائیں تو پریشان ہو جائیں گے کہ اتنی ساری چیونٹیوں کو کھانا کس طرح بانٹا جائے......لیکن اللہ رب العزت کی شان و قدرت کی کیا بات ہے کہ وہ ایک ہی وقت میں تمام مخلوق کو رزق پہنچا رہا ہے......اسی طرح اس کی صفتِ تخلیق کی بھی کیا شان ہے کہ ایک ہی وقت میں لاکھوں کروڑوں بچے انسانوں، جانوروں، پرندوں، کیڑے مکوڑوں سب میں پیدا فرما رہا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ رب العالمین جل جلالہ کے کسی بھی فعل میں کوئی بھی شریک نہیں ہوسکتا۔

نہ اَحکام میں (کوئی شریک ہے):۔

اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے:......

وَلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖۤ اَحَدًا (پ، **15**، الکھف، **26**)

تَرجَمَہ: اور وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔

تفسیر طبری میں مذکورہ آیت کے تحت لکھا ہے: اللہ تبارک وتعالی مخلوق میں سے کسی کو اپنے قضاء (یعنی فیصلہ کرنے) اور اپنے حکم میں اپنے سوا شریک نہیں بناتا۔ (تفسیر طبری **212/8**)

اُس (اللہ) کے سوا حقیقۃً کوئی دوسرا حاکم نہیں (تو دوسرا اُس پر نہ کوئی حکم چلا سکتا ہے، اور نہ اپنے حقوق کا اظہار کرکے اس سے کوئی مطالبہ کرسکتا ہے) لہذا کسی چیز کی برائی بھلائی اور کسی کام کا باعثِ ثواب وعذاب ہونا عقل پر منحصر نہیں (کہ عقل نکمی ہے) بلکہ چیزوں کا بھلا برا ہونا اس بات پر موقوف ہے کہ اللہ تعالی نے اسے اَچھا بتایا اس کے کرنے کا بندوں کو حکم دیا، اور انہیں اس کا مکلّف بنایا ہے۔ (العقیدۃ الحسنۃ المعروف بہ عقائد الاسلام، ص **21** فریدبک اسٹال اردو بازار لاہور)

اَحکام میں شرکت سے مراد یہ ہے کہ جیسا اللہ تعالی کے اَحکام پر عمل کرنا لازمی وضروری ہے ایسا کسی عام مخلوق کے حکم پر عمل کرنا لازمی وضروری نہیں ہے، مثال کے طور پر: کسی بادشاہ وصاحب اقتدار کا حکم، کسی مالدار کا حکم اللہ عزوجل کے حکم کے برابر کبھی نہیں ہوسکتا۔ بے شک اسکا مقام ومرتبہ سب سے بلند وبالا ہے تو احکام میں بھی اسکے ساتھ کوئی شریک نہیں ہوسکتا۔

نہ اَسماء میں (کوئی شریک ہے):۔

تَسْــمِیَۃ میں استعمال ہونے والا دوسرا لفظ ﴿اللہ﴾ ہے، جو ذاتِ باری تعالی پر دلالت کرتا ہے اسی وجہ سے اسے اِسمِ ذات کہتے ہیں، اسکے علاوہ باقی تمام ناموں کو اَسمائے صفات کہا جاتا ہے اَسماء میں بھی رب تبارک وتعالی کا کوئی شریک نہیں ہوسکتا، چنانچہ اِرشادِ باری تعالی ہے:

هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا (پ **16**، مریم: **65**)......**تَرجَمَہ**: کیا اس کے نام کا دوسرا جانتے ہو۔

تفسیر کبیر میں مذکورہ آیت کے تحت لکھا ہے:

اَلْمُرَادُ اِنَّهُ سُبْحَانَهُ لَيْسَ لَهُ شَرِيْک فِيْ اِسْمِهِ

مراد یہ ہے کہ بے شک اللہ سبحانہ وتعالی کے ساتھ اس کے اسماء میں بھی کوئی شریک نہیں ہے۔(تفسیر کبیر)

اللہ تعالی کا ذاتی نام (اللہ) ہے یہ ایک ایسا یکتا نام ہے کہ آج تک کسی کافر نے بھی اپنے کسی بت کا نام اللہ نہیں رکھا، جس طرح اس نے اپنی ذات کو یکتا رکھا اسی طرح اپنے اسمِ ذات کو بھی یکتا رکھا ہے کہ پوری کائنات میں اللہ کی ذات کے علاوہ کسی بھی ذات کے لئے اسم جلالت ﴿اللہ﴾ استعمال نہیں ہوتا ۔

وَاجِبُ الْوُجُود ہے، یعنی اس کا وجود ضروری ہے، عدَم (یعنی اس کا وجود نہ ہو یہ) محال (یعنی ناممکن ہے):۔

یاد رہے ! ایک لفظ واجب الوجود ہوتا ہے...... اور ......اس کے مقابل دوسرا لفظ ممکن الوجود کہلاتا ہے۔

وَاجِبُ الْوُجُودُ : اس ذات کو کہتے ہیں کہ جس کے موجود ہونے کے لئے کوئی سبب وعلت نہ ہو اور وہ دوسروں کے وجود میں آنے کا سبب بنے اور یہ اللہ تعالی کے علاوہ کوئی نہیں ہوسکتا، اسے یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ ﴿جو ہمیشہ سے ہو اور خود بخود ہو وہ واجب اور قدیم ہے﴾

(توضیح العقائد ص 28 مطبوعہ مکتبہ غوثیہ)

مُمکِنُ الْوُجُودُ : اس ذات کو کہتے ہیں کہ جس کے وجود میں آنے کے لئے کوئی سبب وعلت ہو۔ اسے اس طرح بھی کہہ سکتے ہیں: ﴿جو پہلے نہ ہو اور پھر کسی کے پیدا کرنے سے ہو﴾

معلوم یہ ہوا کہ اللہ تعالی وَاجِبُ الْوُجُود ہے، اس لئے کہ اس کے موجود ہونے کے لئے کوئی سبب وعلت نہیں ہے، بلکہ وہ اَزْخُود موجود ہے، اس کو کسی نے پیدا نہیں کیا...... اور...... ہمارے

دنیا میں آنے کے لئے سبب موجود ہے، ہم سب کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے، تو ہم سب مُمْکِنُ الْوُجُوْد ہیں۔

منح الروض الازہر " فی" الشرح الفقه الاکبر " للقاری ' ص **15** پر ہے:

یعنی: اللہ تبارک وتعالی اپنی ذات کے اعتبار سے واجب الوجود ہے ...... اور ...... جو اس کے علاوہ ہے اپنی ذات کی تعریف میں ممکن الوجود ہے، تو واجب الوجود (سے مراد) بے نیاز ہونا ہی ہے ایسا بے نیاز کہ جو کسی شے کی طرف محتاج نہیں ہوتا، اور ہر شے اپنی امداد وایجاد کے سلسلے میں اسی کی طرف محتاج ہوتی ہے۔

﴿وُجودِ باری تعالی﴾

رب تعالی کا وجود نہ ہو یہ ہو ہی نہیں سکتا، تھوڑی سی عقل والا انسان بھی دنیا کی تمام چیزوں پر نظر کر کے یقین کر لے گا کہ بے شک یہ زمین وآسمان، یہ ستارے اور سیارے، انسان وحیوان اور تمام مخلوق کسی نہ کسی کے پیدا کرنے سے وجود میں آئیں ہیں آخر کوئی ذات تو ہے جس نے ان سب کو پیدا کیا اور جس طرح چاہتا ہے ان میں تصرف کرتا ہے جب ہم کسی تخت یا کرسی وغیرہ بنی ہوئی چیزوں کو دیکھتے ہیں تو فوراً سمجھ لیتے ہیں کہ ان کو کسی نہ کسی کاریگر نے بنایا ہے اگر چہ ہم نے اپنی آنکھ سے اسے بناتے ہوئے نہیں دیکھا لیکن ہماری عقل رہنمائی کرتی ہے اور ہمیں یقین ہو جاتا ہے کہ اس کا کوئی نہ کوئی صانع (یعنی بنانے والا) ضرور ہے۔

ایک عرب کے بدو نے خوب کہا: کہ جب اونٹ کی مینگنی دیکھ کر اونٹ کا یقین ہو جاتا ہے اور نقشِ قدم دیکھ کر چلنے والے کا ثبوت مل جاتا ہے تو پھر ان برجوں والے آسمان اور کشادہ راستہ والی زمین کو دیکھ کر کسی صانعِ عالَم (یعنی عالَم کو بنانے والے) کا یقین کیسے نہیں آئے۔

فی الواقع زمین وآسمان کی پیدائش، رات دن کا اختلاف، ستاروں کا خاص نظام، سیاروں کی

خاص گردش،اس بات کی کھلیں دلیلیں ہیں کہ ان کا پیدا کرنے والا کوئی نہ کوئی ضرور ہے جو بڑی زبردست قوت وقدرت والا اور بہت بڑا حکیم اور با اختیار ہے جس کے قبضہ قدرت سے یہ چیزیں نکل نہیں سکتیں......رب تعالی کی موجودگی کا یقین ہر شخص کی فطرت میں داخل ہے، خصوصا بیماریوں، مصیبتوں میں، موت کے قریب اکثر یہ فطرتِ اصلیہ ظاہر ہو جاتی ہے، اور بڑے بڑے منکرین بھی خدا ہی کی طرف رجوع کرنے لگتے ہیں، اور ان کی زبانوں پر بھی بے ساختہ خدا کا نام آ ہی جاتا ہے۔

قدیم ہے یعنی ہمیشہ سے ہے، اَزَلی کے بھی یہی مَعْنٰی ہے باقی ہے یعنی ہمیشہ رہے گا اور اِسی کو اَبَدِی بھی کہتے ہیں:۔

﴿اَزَلِی اَبَدِی قَدِیم میں فَرق﴾

ان تینوں الفاظ کے معانی دائمی اور ہمیشگی کے ہیں پھر ان میں باہمی فرق یوں ہے کہ ازلی وہ ہے جس کی ابتدا نہ ہو یعنی ہمیشہ سے ہو۔ ابدی وہ ہے جس کی انتہا نہ ہو، ہمیشہ رہے، اور قدیم وہ ہے جس کی نہ ابتدا ہو نہ انتہا ہو، یعنی ہمیشہ سے ہو اور ہمیشہ رہے، پس یہ تینوں صفات باری تعالی میں سے ہیں۔

اللہ تعالی ہی باقی رہنے والا ہے، اس کے علاوہ کسی شے کو بقا نہیں۔

☆ كُلُّ مَنْ عَلَيهَا فَان وَيَبقٰى رَبُّكَ ذُو الْجَلالِ وَالاِكْرَامِ .(پ27، الرحمن26. 27)

زمین پر تمام اشیاء فانی ہیں، اور تمہارے رب کی ذات باقی ہے (جو) عظمت و بزرگی والا (ہے)

☆ كّلُّ شَيء هَالِك اِلَّا وَجُهَه (20پ،القصص،88)

ہر چیز فانی ہے سوائے اس کی ذات کے۔

وہی اس کا مُسْتَحَقّ ہے کہ اس کی عبادت وپَرَسْتِشْ کی جائے۔ (پرستش کا معنی بھی عبادت ہی ہے)

اللہ تعالی ارشادفرمایا:

﴿یٰاَیُّھَاالنَّاسُ اعْبُدُوْ رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ﴾ (پ1، البقرۃ، آیت21)

تَرْجَمَہ: اے لوگوں! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمھیں اور تم سے اگلوں کو پیدا کیا۔

﴿اَمَرَاَلَّا تَعْبُدُوْ اِلَّااِیَّاہ﴾ (پ12، سورہ یوسف، 40)

اس نے فرمایا کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔

عِبادَت کی تَعریف: علامہ جوہری لکھتے ہیں:

لُغت میں عبادت کا معنیٰ ہے خضوع (یعنی تواضع اور عاجزی) کے ساتھ اطاعت کرنا۔

(لسان العرب، 3/ 273 مطبوعہ نشرادب الحوذہ)

علامہ سید شریف جرجانی علیہ رحمۃ لکھتے ہیں:

نفس کی خواہش کے خلاف اپنے رب کی تعظیم کے لئے مکلّف کا کوئی کام کرنا عبادت ہے۔ عہد کو پورا کرنا، اللہ کی حدود کی حفاظت کرنا، جو مل جائے اس پر راضی رہنا، اور جو نہ ملے اس پر صبر کرنا ”عُبُودِیَتُ“ ہے۔ (کتاب التعریفات، ص63، مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ، مصر 1306ھ)

امام فخرالدین رازی علیہ رحمۃ (مُتَوَفّٰی 606ھ) تفسیر کبیر میں رقم طراز ہیں:

عبادت آخری تعظیم کا نام ہے، اور یہ اس ہستی کے لائق ہے جس سے انتہائی انعام کا صدور ہوا اور سب سے بڑا انعام زندگی (ہے) جو نفع کے حصول (یعنی نفع کے حاصل ہونے) پر قادر کرتی ہے۔ (تفسیر کبیر تحت الآیۃ ایاك نعبد وایاك نستعین، ج 1)

تمام کائنات کا خالق، مالک، رازق، حافظ، نافع، شافی، کافی، سلامتی دینے والا، نعمتوں سے نوازنے والا، نفع بخش اولاد عطا کرنے والا، عدل کرنے والا، گناہوں کو معاف کرنے والا، بندوں کی بدکاریوں کو چھپانے والا، بلندی دینے والا، ہمیں انسان، مسلمان، امتیِ شاہِ کون و مکان، مقلدِ امامِ اعظم سیدنا نعمان، سگِ شاہِ جیلان وغلامِ امام احمد رضا خان میں شامل فرما کر دیگر انسانوں کے مقابلے میں امتیازی شان سے نوازنے والا رحمٰن...... اپنے بندوں پر **70** ستر ماؤں سے زیادہ مہربان ہے، اسی کا فرمان ہے **لَاتَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللّٰہ**،(تم اللہ عزوجل کی رحمت سے ناامید نا ہوجاؤ) اسی کا فرمانِ عالیشان: **اِنَّ رَحْمَتِیْ تَغْلُبُ غَضَبِیْ** (البخاری، **7404**) (بے شک میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے) اسی کی بلند و بالا شان تو کیونکر نہ ہو عبادت اسی کے شایانِ شان وہ ہے **اللہ رُحمن**۔

☆☆☆☆☆☆

عـقیـدہ نمبر 2: وہ بے پرواہ ہے، کسی کا محتاج نہیں، اور تمام جہان اس کا محتاج ہے۔

رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ جَلَّ جَلَالُہٗ کا فرمانِ عالیشان ہے:

﴿اَللّٰهُ الصَّمَدُ﴾ (اخلاص، پ30 آیت 2) ور اللہ بے نیاز ہے۔

"منح الروض الازھر" اور "شرح الفقه الاکبر" ص14 پر مذکورہ آیت کے تحت لکھا ہے:

﴿اَللّٰهُ الصَّمَدُ﴾ اَیْ: اَلْمُسْتَغْنِیْ عَنْ کُلِّ اَحَدٍ وَالْمُحْتَاجُ اِلَیْهِ کُلُّ اَحَدٍ

یعنی (اور اللہ بے نیاز ہے) یعنی: وہ ذات جو ہر ایک سے مستغنی ہے اور ہر ایک اُسی کی طرف محتاج ہوتا ہے۔

وہ بے پرواہ ہے:۔

یہاں بے پرواہ کی مراد کو سمجھنا بہت ضروری ہے کیونکہ ہمارے معاشرے میں لفظِ "بے پرواہ" غافل شخص کے لئے مستعمل ہے......مثلاً: گھر پر کم توجہ دینے والے شخص کو اس طرح کہا جاتا ہے:

"یہ تو اپنے گھر سے بے پرواہ ہو گیا ہے" یعنی بالکل غافل ہو گیا ہے...... یہاں بے پرواہ کا یہ معنی ہر گز نہیں ہو سکتا بلکہ یہاں بے پرواہ سے مراد یہ ہے کہ جیسے ہم مختلف چیزوں کے اثر کو قبول کرتے ہیں اللہ تبارک و تعالی کسی چیز کے اثر کو قبول نہیں کرتا......مثلاً: ہم کسی کو غم میں دیکھتے ہیں تو ہماری کیفیت (change) ہو جاتی ہے، کوئی ہماری مرضی کے خلاف کام کرتا ہے، تو غصہ آ جاتا ہے، خوشی دیکھتے ہیں، تو خوشی محسوس کرتے ہیں، معلوم یہ ہوا کہ ہم اثر قبول کرتے ہیں......

مگر اللہ تعالی اثر قبول کرنے سے پاک ہے کیونکہ اثر قبول کرنا بسا اوقات انسان کو کسی فعل پر

مجبور کر دیتا ہے مثلاً: ایک پھٹے پرانے کپڑے پہنے ایک شخص انتہائی غمزدہ حالت میں آ کر مالی امداد کا مطالبہ کرے تو ہم اس کی حالت دیکھ کر مجبور ہو جاتے ہیں کہ کچھ نہ کچھ اس غریب کی مالی امداد ضرور کریں......اس سے پتہ چلا کہ اثر قبول کرنے کے بعد انسان فعل کے صدور کے سلسلے میں محتاج ہو جاتا ہے اور اللہ تعالی نہ اثر قبول کرتا ہے نہ کسی فعل پر مجبور ہوتا ہے تو بے پرواہ یعنی بے نیاز ہے، کسی کا محتاج نہیں ہے۔

کسی کا محتاج نہیں، اور تمام جہان اس کا محتاج ہے:۔

اللہ تعالی کی ذات اول سے آخر تک از خود موجود ہے، وہ بے نیاز ہے اور سب پر فائق ہے، جبکہ ہر شے اپنے وجود کے لئے اللہ تعالی کی محتاج ہے، اللہ تعالی کے سوا باقی کائنات میں جو بھی موجود ہے اُس کے وجود میں آنے کا سبب خدا کی ذات ہے، اور ہر چیز کا موجود ہونا اللہ تعالی کا محتاج ہے، جب ہر شے کا وجود اللہ تعالی کا محتاج ٹھہرا تو اس شے کی صفات اور کمالات بھی محتاج ہونگے، جبکہ یہ تسلیم شدہ امر ہے کہ اللہ تعالی نہ وجود میں کسی کا محتاج ہے، اور نہ صفات و کمالات میں کسی کا محتاج ہے، لیکن مخلوق میں ہر ایک اپنے وجود میں بھی اللہ تعالی کا محتاج ہے، اور اپنی صفات و کمالات میں بھی اللہ تعالی کا محتاج ہے۔

تمام عالمین کا پالنے والا، تمام جہان کو روزی پہنچانے والا اللہ ہی ہے، ہر شخص اسی سے مدد طلب کرتا ہے، جس کو جو بھی ملتا ہے اسی کے خزانے سے ملتا ہے، جب ایسا ہے تو کوئی یہ کیونکر کہہ سکتا ہے کہ وہ محتاج ہے، جبکہ اسی کے دئے ہوئے خزانوں سے ہر انسان و حیوان حاصل کر رہا ہے۔

☆☆☆☆☆

عقیدہ نمبر 3: اس کی ذات کا اِدْرَاک عَقلاً مُحَال، کہ جو چیز سمجھ میں آتی ہے عقل اس کو مُحِیط ہوتی ہے، اور اس کو کوئی اِحَاطَہ نہیں کرسکتا، البتہ اُس کے اَفعال کے ذریعے سے اِجمالاً اُس کی صفات، پھر اُن صفات کے ذریعے سے مَعْرِفَتِ ذَات حاصل ہوتی ہے۔

مشکل الفاظ کے معانی:

اِدْرَاک (جاننا، سمجھنا)......**مُحَال** (ناممکن)......**مُحِیط** (گھیرنے والی)......

اِحَاطَہ (گھیرنا)......**اِجْمَالاً** (مختصرًا، بغیر کسی تفصیل کے)......

معرفتِ ذات (ذات کی پہچان)......

وَضَاحَت: اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات کو سمجھنا ناممکن ہے کیونکہ جو چیز سمجھ میں آتی ہے عقل اس کو گھیرنے والی ہوتی ہے اور اللہ تبارک وتعالی کی ذات کو کوئی گھیر نہیں سکتا، ہاں اُس کے اَفعال کو دیکھیں تو اس کی صفات کا علم ہوتا ہے، پھر اِن صفات کے ذریعے سے خدا تعالی کی ذات کی پہچان حاصل ہوتی ہے۔

اُس کی ذات کا اِدراک عَقلاً محال (ہے):

اللہ کی ذات کو عقل کے ذریعے سمجھا نہیں جاسکتا، عقل اسے ناممکن قرار دیتی ہے **"کہ یہ ہوھی نہیں سکتا کہ کوئی اس کا تصور قائم کرسکے"** کیونکہ کسی کی ذات کا تصور قائم کرنے کے تین ذرائع ہیں:

نمبر (1) شے کو دیکھا ہو۔

نمبر (2) یا کسی نے اس کے بارے میں کچھ بتایا ہو۔

نمبر (3) یا پھر اس کے بارے میں نہیں بتایا بلکہ اُس کے مثل کے بارے میں بتایا ہو۔

اِن تینوں ذرائع سے اللہ تعالی کا تصور قائم نہیں کیا جا سکتا کیونکہ نہ ہم نے اللہ کو دیکھا...... نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی ذات کے بارے میں ہمیں کچھ بتایا...... نہ اس کی مثل کوئی ہے جس کے ذریعے ہم اللہ کی ذات کا تصور قائم کر سکیں ...... تو اللہ رب العلمین کی ذات کو سمجھنا محال (یعنی ناممکن) ہے اس کی ذات کو عقل کے ذریعے احاطہ کیا ہی نہیں جا سکتا کیوں......

کہ جو چیز سمجھ میں آتی ہے عقل اس کو مُحِیط ہوتی ہے، اور اس کو کوئی اِحَاطَہ نہیں کر سکتا۔

اس کو سمجھنا چاہیں تو بلا تشبیہ اس طرح سمجھئے! کہ مثال کے طور پر آپ کے سامنے ایک کاغذ رکھا ہوا ہے، اور وہ کاغذ لکھائی سے پر ہے، اب آپ اسے دیکھیں گے تو پورا پرچہ آپ نے دیکھا اور سمجھ لیا جب آپ نے اسے سمجھ لیا تو ظاہری بات ہے کہ آپ نے اس کا احاطہ بھی کر لیا یعنی گھیر لیا، اور یہ بات بلکل واضح ہے کہ جو چیز سمجھ میں آجاتی ہے عقل اس کو محیط ہوتی ہے، لیکن اللہ تبارک وتعالی کی ذات کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ اللہ تعالی کی ذات کا انکشاف کسی پر بھی نہیں ہوا ہے۔

اَلبَتّہ اُس کے اَفعال کے ذریعے سے اِجمالاً (یعنی تفصیل کے بغیر) **اُس کی صِفات، پھر اُن صِفات کے ذریعے سے مَعْرِفَتِ ذَاتْ** (یعنی ذات کی پہچان) **حاصل ہوتی ہے۔**

ہم اپنی زندگی میں مخلوقات کا پیدا ہونا، مرنا، صحت مند وتوانا ہونا، بیمار و مریض ہونا، جوان وبوڑھا ہونا، کامیاب وناکام ہونا...... سورج کا نکلنا ڈوبنا، سردی وگرمی کا آنا، بارش وبرف باری کا ہونا، آندھی طوفان زلزلوں وغیرہ کا آنا دیکھتے رہتے ہیں یقیناً یہ سب اللہ کے اَفعال ہیں ان اَفعال کو دیکھ کر

اجمالاً (یعنی تفصیل کے بغیر) اللہ تعالی کی صفات کو جانتے ہیں......اجمالاً اس لئے کہ جتنے اَفعال ہم دیکھیں گے اتنی ہی صفات ہماری سمجھ میں آئیں گی......اور......اللہ تعالی کی صفات لامحدود ہیں۔

لہذا اجمالاً اَفعالِ الٰھیہ کو دیکھ کر صفاتِ باری تعالی کی معرفت کا حصول ممکن ہوا، ہم نے دیکھا کہ کوئی شخص مر رہا ہے تو موت دینے والی اللہ تعالی کی صفت مانا......دیکھا بندہ زندہ ہو رہا ہے تو زندگی دینے والی صفت کو جانا......دیکھا کہ پوری کائنات میں رزق تقسیم ہو رہا ہے تو تقسیمِ رزق والی اللہ تعالی کی صفت کو جانا......اسی طرح خالق ہونا وغیرہ اللہ تعالی کی صفات کو اس کے افعال دیکھ کر جانا۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہم نے اَفعال کے ذریعے سے اِجمالاً اس کی صفات کو جانا ہے اور ان صفات سے معرفِ ذات حاصل ہوئی......تو حقیقتاً اس کے افعال کو دیکھ کو معرفتِ ذات (یعنی ذات کی پہچان) حاصل ہوئی ہے، لیکن یاد رہے! ذات کا ادراک نہیں ہوا، بلکہ ہم نے اس کے افعال کو دیکھ کر کہا کہ ہاں ایک ذات ضرور ایسی ہے جو تمام کائنات کے نظام کو چلا رہی ہے......اس طرف بھی توجہ رہے کہ اللہ تعالی کی ذات کی معرفت حاصل کرنا ہر مسلمان کے لیئے ضروری ہے کہ وہ یہ جانے اور مانے کہ ایک خدا ہے جو تمام جہان کا خالق و مالک ہے اور وہ اللہ عزوجل ہی ہے۔

☆☆☆☆☆

عقیدہ نمبر 4: اس کی صفتیں نہ عَینُ ہیں، نہ غَیرُ، یعنی صفات اُسی ذات ہی کا نام ہو ایسا نہیں، اور نہ اس سے کسی طرح نَحوِ وُجُودُ میں جدا ہوسکیں؛ کہ نَفسِ ذَاتُ کی مُقتَضٰی ہیں اور عَیُنِ ذَاتُ کو لازم۔

مشکل الفاظ کے معانی:

عَیُنِ (خود ذات ہونا)......غَیُر (ذات کا غیر ہونا)......نَحوِ وُجُود (وجود کی جانب)

نفسِ ذات (محض، صرف ذات)......مُقتَضٰی (تقاضا کرتی ہیں، چاہتی ہے)......

عینِ ذات (خود ذات)

اس کی صفتیں نہ عَینُ ہیں، نہ غَیرُ، یعنی صفات اُسی ذات ہی کا نام ہو ایسا نہیں، اور نہ اس سے کسی طرح نَحوِ وُجُودُ میں جدا ہوسکیں:۔

ہر ذی شعور اس بات کو جانتا ہے کہ صفات اصلِ ذات نہیں ہوتی، مثلاً دیکھنا، بولنا، سننا سونگھنا، سوچنا ارادہ کرنا، چلنا پھرنا، اشیاء کو اپنے عقل سے سمجھنا وغیرہ ہماری صفات ہیں، لیکن ہم انہیں اپنی ذات یا اس کا کوئی حصہ نہیں کہہ سکتے، مثلاً: یہ نہیں کہہ سکتے کہ زید کا دیکھنا بھی زید ہے، زید کا علم بھی زید ہے......ہاں اس طرح کہنا صحیح ہوگا کہ زید میں دیکھنے کی صفت موجود ہے......یا......زید میں علم کی صفت موجود ہے۔

بلاتشبیہ اس کی صفات نہ اس کی ذات ہیں نہ ذات کا غیر یعنی یہ اَوصاف و کمالات خود اللہ تعالی کی ذات نہیں ہیں......کیونکہ وصف خود موصوف نہیں ہوتا......لہذا اگر کوئی یوں کہے! کہ میرا معبود، خدا ''**علم**'' ہے یا ''**قدرت**'' ہے تو غلط ہے کیونکہ علم و قدرت اللہ تعالی کے اوصاف و خوبیاں ہیں

ذات نہیں ...... ہاں اگر یوں کہے کہ میرا معبود علیم یا قدیر ہے، جس کی صفت علم ہے یا قدرت ہے، تو یہ درست ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ صفت عینِ ذات نہیں، اور غیرِ ذات یوں نہیں کہ اس سے منفصل (یعنی جدا) نہیں غیر کے معنی یہاں منفصل کے ہیں یعنی اللہ تعالی کی صفات ہی اس کی ذات ہو ایسا نہیں ہے اور کسی بھی طور پر صفات ذات سے جدا ہو کر بھی نہیں پائی جاسکتیں، کہ صفات اس ذات کا تقاضا کرتی ہیں۔

شرح عقائد نسفیہ میں ہے:

یہ (صفات) نہ ذات ہے اور نہ اس (ذات) کا غیر: یعنی بے شک اللہ تبارک وتعالی کی صفات نہ عَینِ ذَات ہے اور نہ غَیرِ ذَات) (الشرح العقائد النسفیہ، **48-47**)

کہ نَفسِ ذَات کی مُقتَضٰی ہیں:۔

نفسِ ذات یعنی (**محض ذات**) دوسری چیزوں سے **قَطعِ نَظَر** ......اور......**مُقتَضٰی** جس کا تقاضا کیا جائے......یعنی ذات باری تعالی اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ اس کے لئے صفات کو تسلیم کیا جائے......ہم یہ کہتے ہیں کہ رب کریم تمام کائنات کے نظام کو(**control**) کررہا ہے تو ذات تقاضا کرتی ہے کہ اس میں تمام نظام پر کنٹرول کرنے کے لئے ایسی زبردست اور عالیشان قدرت ہو......

اسی طرح کسی کو زندہ کرنے کے لئے زندگی دینے والی صفت بھی چاہئے، ملاحظہ کرنے کے لئے دیکھنے کی صفت بھی ہونی چاہئے، وہ سن رہا ہے تو اس کے لئے سننے کی صفت بھی چاہئے وہ تصرفات کررہا ہے تو تصرف سے پہلے **اِحاطہ** ہوتا ہے پھر تصرف ہوتا ہے تو اِحاطے کی صفت بھی اس کے لئے ماننا پڑے گی خلاصہ یہ ہے کہ محض اس ذات پر جب غور کریں گے تو وہ ذات ان صفات کا تقاضا کرتی

ہوئی نظر آئے گی۔

اور عَینِ ذَات کولازم : لازم سے مراد یہ ہے کہ صفاتِ ربُّ العُلیٰ اس سے کبھی جدا نہ ہوں گی۔ مثال کے طور پر ہم کسی کو حافظ قرآن کہیں گے تو اس کے لئے حفظِ قرآن والی صفت بھی لازمی ہے...... کیونکہ اگر حفظِ قرآن کی صفت سے متصف نہ ہو تو پھر حافظِ قرآن نہیں کہلائے گا۔

اس عقیدہ کو علماء کرام نے اس طرح بھی سمجھایا کہ بلاتشبیہ اس کو یوں سمجھیں کہ پھول کی خوشبو پھول کی صفت ہے جو پھول کے ساتھ ہی پائی جاتی ہے، مگر اس خوشبو کو پھول نہیں کہتے، اور نہ ہی اسے پھول سے جدا کہہ سکتے ہیں۔
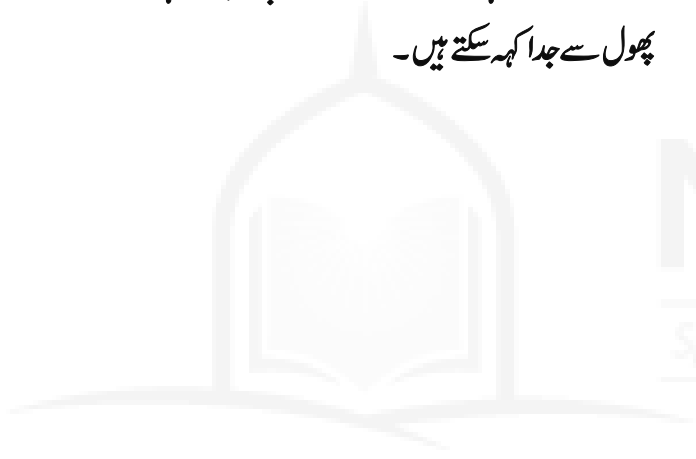
عــقیدہ نمبر 5: جس طرح اس کی ذات قدیم اَزَلی اَبَدی ہے،صفات بھی قدیم اَزَلی اَبَدی ہیں۔

عقیدہ 5 کا خلاصہ: جس طرح ذات باری تعالی ہمیشہ سے ہے،اس کی کوئی ابتداءو انتہاءنہیں،اسی طرح صفات بھی ہمیشہ سے ہیں،ان کی بھی کوئی ابتداءوانتہاءنہیں ہے۔

منح الروض الازہر"للقاری:ص 23 پر ہے:

(اس کا کوئی اسم اورکوئی صفت حادث نہیں ہے)یعنی:بے شک اللہ تعالی کی صفات اوراس کے اسماءتمام کے تمام ازلی ہیں جس کی کوئی ابتداءنہیں،اورابدی ہیں جس کی کوئی انتہاءنہیں۔

ازلی وہ ہے جس کی ابتدانہ ہویعنی ہمیشہ سے ہواورابدی وہ ہے جس کی انتہانہ ہو،ہمیشہ رہے اورقدیم وہ ہے جس کی نہ ابتداہونہ انتہاہو،یعنی ہمیشہ سے ہواور ہمیشہ رہے،پس یہ تینوں صفاتِ باری تعالی میں سے ہیں۔

☆☆☆☆☆

عقیدہ نمبر6: اس کی صفات نہ مخلوق ہیں نہ زیرِ قدرت داخل۔

وضاحت: صفاتِ باری تعالی نہ مخلوق ہیں، اور نہ صفات تحتِ قدرت ہیں۔

اُس کی صِفات نہ مخلوق ہیں:۔

صفاتِ باری تعالی کو مخلوق مانیں یا تحتِ قدرت مانیں......دونوں صورتوں میں صفات کو حادث ماننا لازم آئے گا......کیونکہ ہر مخلوق پر عدم طاری ہوا ہے، عدم طاری ہونے کا مطب یہ ہے ......کہ جو چیز پہلے نہ ہو بعد میں معرض وجود میں آئے تو کہا جاتا ہے کہ اس پر عدم طاری ہوا ہے ......اور......دوسرا وہ ممکن کہلاتی ہے، ممکن: وہ ذات ہوتی ہے کہ جس کے وجود میں آنے کے لئے کوئی سبب وعلت ہو......اور ہر ممکن حادث ہوتا ہے، تو صفات کو مخلوق ماننے سے اس کا حادث ہونا ثابت ہوگا جبکہ رب تعالی کی تمام صفات قدیم، ازلی ہیں۔

نہ زیرِ قُدرَت داخل: یعنی اللہ تعالی کی صفات تَحتِ قُدرَت نہیں ہیں، کیونکہ جو اشیاء تَحتِ قُدرَت ہوتی ہیں ان پر عدم بھی طاری ہوتا ہے......تَغَیُّر بھی ہوسکتا ہے، وہ محتاج بھی ہوتی ہیں......اب اگر ذات کو صفات پر قادر مان لیا جائے تو گویا کہ ہم یہ مان رہے ہیں کہ صفات پر پہلے عدم طاری ہو چکا ہے......یا......پھر جو چیز تحت قدرت ہوتی ہے اس میں تبدیلی بھی ہوسکتی ہے تو گویا کہ یہ مان رہے ہیں کہ صفات مُتَغَیِّر ہوسکتی ہیں......حلانکہ جو چیز تبدیل ہوجائے اسے مُتَغَیِّر کہتے ہیں اور ہر مُتَغَیِّر حادث ہوتا ہے۔

معلوم یہ ہوا کہ صفات کو تحت قدرت ماننے سے بھی لازم آئے گا کہ ہم صفات کو حادث مان رہے ہیں جبکہ اللہ تعالی کی تمام صفات قدیم ہیں۔

عقیدہ نمبر 7: ذات وصفات کے سوا سب چیزیں حادث ہیں، یعنی پہلے نہ تھیں پھر موجود ہوئیں۔

عــقیــدہ نمبر 8: صفاتِ الٰہی کو جو مخلوق کہے یا حادث بتائے، گمراہ بددین ہے۔

عقیدہ (7) کی وضاحت: اللہ ربّ العزت کی ذات وصفات کے سوا تمام چیزیں مَعدُوم تھیں یعنی موجود نہ تھیں پھر ان پر عَدَم طاری ہوا، یعنی ان کو وجود میں لایا گیا۔

عقیدہ 8 کا خلاصہ: اللہ عزوجل کی صفات کو مخلوق یا حادث بتانے والا گمراہ بددین ہے۔

عــقیــدہ نمبر 9: جو عالَم میں سے کسی شے کو قدیم مانے یا اس کے حدوث میں شک کرے، کافر ہے۔

خــلاصــہ: جو شخص کسی بھی شے کے بارے میں یہ عقیدہ رکھے کہ یہ ہمیشہ سے ہے، یا اس کے حادث ہونے میں شک کرے، وہ کافر ہے۔

المعتقد المنتقد ص 19 پر ہے:

(نَقْطَعُ عَلٰی کُفرِمَنْ قَالَ بِقدمِ الْعَالَمِ، اَوْبَقَائِہٖ، اَوْشَکَّ فِیْ ذٰلِکَ)

یعنی: جو شخص عالَم کو قدیم کہے یا اس کو باقی کہے، یا اس بارے میں شک کرے، ہم اس شخص کے کافر ہونے پر یقین رکھتے ہیں۔

(المعتقد المنتقد، ص 19، "الشفا" فصل فی بیان ماھو من المقالات کفر ج 2، ص 283)

عالَم حادث ہے ...... ﴿عقلی دلیل﴾:

عَــالَــم اور اس میں جو کچھ ہے، حادِث ہے، حادث ہونے کی عقلی دلیل تو یہ ہے کہ: عَــالَــم

مُتَغَیَّر ہے، اور ہر مُتَغَیَّر حادث ہوتا ہے، نتیجہ یہ نکلا کہ عَالَم حادِثْ ہے، جب عَالَم حادِثْ ہوا تو اس کا پیدا کرنے والا اور تَغَیُّر دینے والا بالضرور قدیم ہوا۔

......﴿شرعی دلیل﴾:

اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیءٍ......

یعنی اللہ تعالی ہر شے کا پیدا کرنے والا ہے۔

عقیدہ نمبر 10: نہ وہ کسی کا باپ ہے، نہ بیٹا، نہ اس کے لئے بی بی، جو اسے باپ یا بیٹا بتائے، یا اس کے لئے بی بی ثابت کرے کافر ہے، بلکہ جو ممکن بھی کہے گمراہ بددین ہے۔

☆اللہ تعالی نے فرمایا: **لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ** (پ30سورۃ الاخلاص، 3)

ترجمہ: نہ اس کی کوئی اولاد، اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا)

☆**وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِی لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا** (پ15بنی اسرائیل، 111)

ترجمہ: اور (اے حبیبِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ فرما دیجئے! کہ تمام تعریفیں اس رب عزوجل کے لئے ہیں جس نے اپنے لئے اولاد کو اختیار نہیں کیا۔

حدیث قدسی میں آتا ہے: حضرت ابوھریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں: سیدِ دوعالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ابن آدم مجھے جھٹلاتا ہے حالانکہ یہ اس کے لئے جائز نہیں تھا، اور وہ مجھے گالی دیتا ہے حالانکہ یہ بھی اس کے لئے جائز نہیں تھا، پس اس کا مجھے جھٹلانا اس کا یہ کہنا ہے: کہ رب مجھے پہلے کی طرح دوبارہ نہ بنا سکے گا، حالانکہ پہلی بار پیدا کرنا دوبارہ بنانے سے آسان تر تو نہیں، اور اس کا مجھے گالی دینا اس کا یہ کہنا ہے: اللہ تعالی نے اولاد اختیار کی، حالانکہ میں تو اَحَدْ (اکیلا) بے نیاز ہوں، نہ کسی کو جنا اور نہ جنا گیا ہوں، میرا کوئی ہمسر نہیں

۔(مشکوۃ کتاب الایمان رواہ البخاری)

حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ تکلیف دہ بات کو سنتے ہوئے صبر کرنے والا خدا سے بڑھ کر کوئی نہیں، **لوگ اس کے لئے اولاد کا دعوی کرتے ہیں**، پھر بھی وہ انہیں راحت ورزق دیئے جاتا ہے۔(متفق علیہ)

" الشفاء "فصل فی بیان ماھو من المقالات کفر میں ہے:

(**مَنِ ادَّعٰی لَهُ وَلَداً،اَوْصَاحِبَةً،اَوْوَالِداً،اَوْمُتَوَلِّدًامِنْ شَيْءٍ...فَذٰلِکَ کُلُّهُ کَفْرٌبِاِجْمَاعِ الْمُسْلِمِیْنَ**)(ج،2:ص،283)

یعنی: جو شخص رب تعالی کے لئے، بیٹا، بیوی یا باپ ہونے یا کسی بھی شے سے متولد (یعنی پیدا ہونے) کا دعوی کرے......تو یہ تمام باجماع مسلمین کفر ہے)

" مجمع الانہر "کتاب السیر والجہاد" اور بحر الرائق "میں ہے

جو شخص اللہ تعالی کو ان چیزوں کے ساتھ موصوف کرے، جو اس کے شان کے لائق نہیں ہیں......یا......رب تعالی کا کوئی شریک بنائے، یا اس کے لئے باپ یا بیوی بنائے......تو (بے شک) اس نے کفر کیا)(مجع الانہر، کتاب السیر والجہاد، ج،2ص504،البحر الرائق، ج5،ص202)

فتاوی تاتارخانیہ میں ہے:

اگر کسی شخص نے کہا: اللہ تعالی کے ساتھ کوئی شریک ہے، یا بیٹا ہے، یا زوجہ ہے، تو اس نے کفر کیا۔(فتاوی تاتارخانیہ، کتاب احکام المرتدین، ج5،ص463)

﴿اللہ تعالی کے اولاد سے پاک ہونے پر عقلی دلائل﴾

بیٹے تین قسم کے ہیں: **(1)پوت(2)سپوت اور(3)کموت.**

پوت: وہ ہے جو باپ کے برابر کمال دکھائے۔

سپوت: وہ جو باپ سے بڑھ جائے.

کموت: وہ جو باپ سے گھٹا ہوا رہے، بلکہ اس کے نام کو ڈبودے.

اگر بالفرض رب کے بیٹا ہوتا تو سوال ہوتا کہ وہ کس قسم کا ہے، اگر سپوت ہے تو چاہیئے اس کی مخلوق رب کی مخلوق سے بڑھی ہوئی ہو کہ رب کے سات آسمان ہیں تو اس کے کم از کم آٹھ تو ہوں......اور اگر پوت ہے تو خالقیت اور مالکیت وغیرہ میں برابر ہونا چاہیئے تھا......اور کموت ہوتا تو یہ بیٹے کے عیب اور باپ کی مجبوری پر دلالت کرتا ہے کہ بیٹا تو نالائق رہا، اور باپ اسے درست نہ کرسکا۔لہذا رب تعالی اولاد سے پاک ہے۔

عقیدہ نمبر 11: وہ حی ہے، یعنی خود زندہ ہے، اور سب کی زندگی اس کے ہاتھ میں ہے، جسے جب چاہے زندہ کرے، اور جب چاہے موت دے۔

عقیدہ (11) کی وضاحت: اللہ رَبُّ الْعٰلَمِیْن خود زندہ ہے، اس کے لئے موت کا تصور ہو ہی نہیں ہوسکتا، بلکہ وہ خود دوسروں کو زندگیاں بخشنے والا ہے جسے جب چاہتا ہے، زندگی دیتا ہے، جب چاہتا ہے موت دیتا ہے۔

اللہ تبارک وتعالی قرآن مجید میں فرماتا ہے:

☆**هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ** (پ3 البقرۃ،255)

وہ آپ زندہ ہے اوراوروں کا قائم رکھنے والا ہے۔

☆**وَھُوَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ** (پ18 المومنون،80)

اور وہ جلائے (یعنی زندہ کرے) اور مارے)

☆☆☆☆☆

عقیدہ نمبر12: وہ ہر ممکن پر قادر ہے، کوئی ممکن اس کی قدرت سے باہر نہیں۔

وضاحت: اللہ تبارک وتعالی تمام ممکنات پر قدرت رکھنے والا ہے، ایسا کوئی ممکن نہیں ہے جو تحتِ قدرت نہ ہو۔

تفسیر کبیر پ15 الکھف 25 کے تحت لکھا ہے:

اِنَّهُ تَعَالٰی قَادِرٌ عَلٰی کُلِّ الْمُمْكِنَاتِ (ج۷ص454)

یعنی: بے شک اللہ تبارک وتعالی تمام ممکنات پر قادر ہے۔

''المسایرۃ'' ص 391 میں ہے:

وَقُدرَتُهُ عَلٰی کُلِّ الْمُمْكِنَاتِ.

یعنی: اور اللہ تعالی کی قدرت تمام ممکنات پر ثابت ہے۔

......﴿عقیدہ کی تفصیل سے پہلے ممکن اور محال کی تعریف سمجھ لینا مفید رہے گا﴾......

ممکن کی تعریف: جس کے وجو میں آنے کے لئے کوئی سبب وعلت ہو۔

اللہ کی ذات کے علاوہ تمام ممکنات میں سے ہیں کیونکہ تمام چیزوں کے موجود ہونے کا سبب اللہ کی ذات ہی ہے۔

محال کی تعریف: جس کا وجود میں آنا ناممکن ہو۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر﴾ تَرجَمَۃُ: (بیشک اللہ تعالی ہر ''شے'' پر قادر ہے)

اس آیت میں ''شے'' سے مراد ممکنات ہیں، مراد یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالی ہر ممکن پر قادر ہے اس سے محالات مراد لینا غلط ہے، کیونکہ محال اسے کہتے ہیں جو موجود نہ ہو سکے، اگر محال تحتِ قدرت (یعنی اس پر قادر ہو یا قدرت میں) ہو تو موجود ہو سکے گا، جب موجود ہو سکے گا تو محال بھی نہ رہا، اس کو یوں سمجھئے کہ دوسرا خدا محال ہے، یعنی دوسرے خدا کا وجود ناممکن ہے، اگر محال کو تحتِ قدرت

مان لیا جائے، تو دوسرے خدا کے وجود کو بھی تحتِ قدرت (یعنی اس پر قادر ہونا) ماننا پڑے گا اس طرح تو یہ محال بھی نہ رہا، اور دوسرے خدا کے وجود کو محال نہ ماننا وحدانیت کا انکار ہے جو صریح کفر ہے۔

نوٹ: اس عقیدہ کی مزید وضاحت عقیدہ نمبر 13 میں بھی آ رہی ہے۔

اعتراض: اگر اللہ تعالیٰ کو محال پر قادر نہ مانا جائے تو ذاتِ باری تعالیٰ کے لئے نقص ثابت ہوگا اور اللہ تعالیٰ تو تمام عیوب و نقائص سے پاک ہے۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ محالات پر قادر نہ ہونا قدرت کو ناقص نہیں کرے گا کیونکہ ناقص تو وہ محال ہے کہ اس میں موجود ہونے کی صلاحیت نہیں ہے۔

اس کو اس طرح سمجھیں کہ سیدِ دو عالم ﷺ نے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی تو کئی لوگوں نے اسلام قبول کیا مگر ابوجہل آخر تک اسلام نہیں لایا...... اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ابوجہل ایمان نہیں لایا تو کیا نبی کریم ﷺ کی تبلیغ کامل نہیں تھی؟ کیا معاذ اللہ اس میں نقص تھا...... یا...... کوئی کمی تھی؟ ایسا تو ہو ہی نہیں سکتا...... بلکہ نبی پاک ﷺ کی تبلیغ تو کامل و اکمل تھیں، نقص اور کمی تو اس ابوجہل میں تھی کہ اس میں دعوت کو قبول کرنے کی صلاحیت نہیں تھی۔

یہاں ایک اور بہت اہم اور قابلِ توجہ مسئلہ یہ ہے کہ مخالفین اس آیتِ قرآنی (اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیءٍ قَدِیْر) کو بنیاد بنا کر اللہ کے لئے اِمکانِ کذب ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں ان کا نظریہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے تو ''جھوٹ'' پر بھی قادر ہے (مَعَاذَ اللّٰہ ثُمَّ مَعاذَاللّٰه)

﴿اللہ جھوٹ اور دیگر تمام عیوب سے پاک ہے﴾

اعتراض: اگر اللہ تعالی کذب (یعنی جھوٹ بولنے)، ظلم، جہل اور دیگر برائیوں پر قادر نہ ہوتو یہ اس کے علی الاطلاق قادر ہونے کے منافی ہے۔

نوٹ: جواب سے پہلے لفظِ قُدرَت کی تعریف سمجھ لینا مفید رہے گا۔

چنانچہ علامہ تفتازانی لکھتے ہیں:

قادر وہ شخص ہے جو اگر چاہے تو کوئی کام کرے اور اگر چاہے تو وہ ترک کر دے، اس کا معنی یہ ہے کہ اس کو فعل اور ترکِ فعل کا اختیار ہو اور یہ اس کے لئے ممکن ہو یعنی اگر اُس کے لئے فعل کا داعی (یعنی دعوت دینے والا) اور محرک (ابھارنے والا) ہو تو اس کے لئے فعل کرنا ممکن ہو اور اگر اس کے لئے ترک کا باعث اور محرک ہو تو اس کے لئے ترک کرنا ممکن ہو۔(شرح المقاصد، ج4، ص89)

علامہ میر سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

قدرت وہ صفت ہے جس کی وجہ سے کسی زندہ شخص کے لئے اپنے ارادے سے کسی فعل کا کرنا یا اس کا ترک کرنا ممکن ہوتا ہے۔(التعریفات: ص122 مطبوعہ: قدیمی کتب خانہ)

جواب: اس کے بہت سارے جوابات ہو سکتے ہیں لیکن یہاں عوامی ذہن کو پیش نظر رکھتے ہوئے ایک ہی جواب پر اکتفاء کیا جاتا ہے......

قدرت کے معنیٰ کو ذہن نشین کر لینے کے بعد اس کو سمجھئے! کہ جھوٹ اور دیگر برائیوں پر قدرت نہ ہونا علی الاطلاق قادر ہونے کے منافی اس وقت ہوتا جب اللہ تعالی کذب، ظلم، اور جہل وغیرہ کا ارادہ کرتا اور ان کو وجود میں نہ لا سکتا، لیکن اللہ تعالی کذب (یعنی جھوٹ بولنے) اور ظلم وغیرہ کا ارادہ ہی نہیں کرتا، کیونکہ اللہ تعالی سبحان (ہر عیب سے پاک) ہے اور اس کے سبحان اور قدوس ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے لئے برائی کا ارادہ کرنا محال ہو، اس لئے کذب پر قادر نہ ہونے سے اس کا

عاجز ہونا لازم نہیں آتا، عجز اس وقت ہوتا جب وہ کذب اور ظلم کا ارادہ کرتا اور ان کو وجود میں نہ لاسکتا۔

اسی طرح عجز (یعنی عاجز ہونا) اس وقت ہوتا جب کسی فعل کا ہونا ممکن ہوتا اور پھر اس فعل کو وجود میں نہ لایا جاسکتا، سو جس طرح دوسرے خدا کو پیدا کرنا ممکن نہیں ہے، اللہ تعالی کے ولد (یعنی بیٹے) کا ہونا ممکن نہیں ہے، اس کی زوجہ (یعنی بیوی) کا ہونا ممکن نہیں ہے، اس کا پیدا ہونا، یا مرنا ممکن نہیں ہے، اسی طرح اللہ تعالی کا جھوٹ بولنا، اور ظلم کرنا ممکن نہیں ہے اور چونکہ یہ تمام امور ممکن نہیں ہیں اس لئے ان پر اللہ تعالی کے قادر نہ ہونے سے اس کا عجز لازم نہیں آتا۔

﴿کذب (جھوٹ) ممکن نہیں ہے﴾

رہا یہ کہ اللہ تعالی کا کذب کیوں ممکن نہیں، اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالی کی ہر صفت قدیم ہے کیونکہ اگر اللہ تعالی کی کوئی صفت حادث ہو تو وہ محل حوادث ہوگا اور محل حوادث خود حادث ہوتا ہے، اور جب کذب قدیم ہوگا تو پھر اللہ تعالی صدق سے متصف نہیں ہوسکتا کیونکہ صدق تو کذب کی نقیض ہے لہذا اگر صفتِ کذب کے ہوتے ہوئے اللہ تعالی صفتِ صدق سے متصف ہو تو اجتماع نقیضین لازم آئے گا اور یہ محال ہے، اللہ تعالی صدق سے متصف ہے کیونکہ قرآن مجید فرقان حمید میں رب العالمین جل جلالہ نے ارشاد فرمایا:

وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا. (النساء 87)......اور اللہ تعالی سے زیادہ کون صادق ہے۔

شرح المقاصد کے مبحث کلام میں ہے:

جھوٹ باجماع علماء محال ہے، کہ وہ باتفاق عقلاء عیب ہے، اور عیب اللہ تعالی پر محال)

(شرح المقاصد، ج104/2)

اسی کی بحث حسن وقبح میں ہے:

ہم بحث کلام میں ثابت کر آئے، کہ اللہ عزوجل پر کذب (یعنی جھوٹ) محال ہے۔

(شرح المقاصد، ج2ص15)

اسی کی بحث تکلیف بالمحال میں ہے:

اللہ تعالیٰ کا جہل، یا کذب، دونوں محال ہیں، برتری ہے اسے ان سے۔

(شرح المقاصد، ج2ص238)

شرح عقائد نسفی میں ہے:

كِذْبُ كَلاَمِ اللّٰهِ تَعَالٰى مُحَال......يعنی: کلام الٰہی کا کذب محال ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ صادق ہے اور اس کا صدق قدیم ہے، کذب صدق کے زوال کا نام ہے، اور اس کا صدق زائل نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ قدیم ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ کاذِب نہیں ہوسکتا، صدق جانہیں سکتا، اور کذب آنہیں سکتا۔

عقیدہ نمبر 13: جو چیز محال ہے، اللہ عزوجل اس سے پاک ہے کہ اس کی قدرت اسے شامل ہو، کہ محال اسے کہتے ہیں جو موجود نہ ہو سکے، اور جب مقدور ہوگا تو موجود ہو سکے گا، پھر محال نہ رہا۔ اسے یوں سمجھو کہ دوسرا خدا محال ہے یعنی نہیں ہوسکتا تو یہ اگر زیرِ قدرت ہو تو موجود ہو سکے گا تو محال نہ رہا، اور اس کو محال نہ ماننا وحدانیت کا انکار ہے۔ یوں ہی فنائے باری محال ہے، اگر تحتِ قدرت ہو تو ممکن ہوگی، اور جس کی فنا ممکن ہو وہ خدا نہیں۔ تو ثابت ہوا کہ محال پر قدرت ماننا اللہ عزوجل کی الوہیت سے ہی انکار کرنا ہے۔

مشکل الفاظ کے معانی:

مُحَال (جس کا وجود میں آنا ناممکن ہو)...... یہاں مَقْدُور بمعنی (تحتِ قدرت ہونا)

زیرِ قُدْرَت (تحتِ قدرت، کسی چیز پر قادر ہونا)

وَضاحَت: محال تحتِ قدرت نہیں ہے، کیونکہ جس کا وجود میں آنا ناممکن ہو اسے محال کہتے ہیں...... اگر محال وجود میں آ سکتا ہوگا تو پھر محال ہی نہ رہا اِسے اسطرح سمجھئے!...... کہ دوسرا خدا محال ہے یعنی ہو ہی نہیں سکتا، اب اگر یہ تحتِ قدرت ہوگا تو دوسرا خدا موجود ہو سکے گا اور یہ دوسرے خدا کا وجود ماننا صریح کفر ہے...... معلوم یہ ہوا کہ اللہ کو محال پر قادر ماننا گویا وحدانیت کا انکار ہے...... یوں ہی ذاتِ باری تعالیٰ کا فنا ہونا محال ہے، اگر تحتِ قدرت مان لیں تو اس کا ممکن ہونا ثابت ہوگا، اور جس کا فنا ہونا ممکن ہو وہ خدا نہیں ہوسکتا...... ثابت یہ ہوا کہ محال پر قدرت ماننا اللہ عزوجل کی الوہیت سے ہی انکار کرنا ہے۔

شرح المقاصد میں ہے: کوئی ممتنع (یعنی محال) مقدور (یعنی تحتِ قدرت) نہیں ہوتا)

(شرح المقاصد، ج 1، ص 240)

عقیدہ نمبر 14: ہر مقدور کے لئے ضرور نہیں کہ موجود ہو جائے، البتہ ممکن ہونا ضروری ہے، اگرچہ کبھی موجود نہ ہو۔

مشکل الفاظ کے معانی: مقدور (تحتِ قدرت)......ضرور (ضروری)

خلاصہ: ہر وہ چیز جو تحتِ قدرت ہے ایسا ضروری نہیں ہے کہ وہ موجود بھی ہو جائے، ہاں البتہ ممکن ہونا ضروری ہے اگرچہ کبھی اس کا وجود نہ پایا جائے۔

عقیدہ نمبر(14) کی وَضَاحَت:

اللہ تبارک وتعالی تمام ممکنات پر قادر ہے، لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ جو چیز بھی تحتِ قدرت ہے اس کا وجود پایا جائے، اس کو چند مثالوں سے سمجھنے کی کوشش کیجئے، مثلاً: اللہ تبارک وتعالی چاہے، آگ پیاس بجھائے، پانی آگ کا کام دے، سورج اندھیرا کرے، رات اجالا کرے، پہاڑ چلنے لگیں، ہوائیں کلام کریں، جانور اڑنے لگیں، زمین شیشے کی بن جائے، رب تعالی چاہے تو ایسا ہوسکتا ہے، کہ یہ ساری چیزیں مقدور یعنی تحتِ قدرت ہیں، لیکن کیا ضروری ہے کہ یہ ساری چیزیں پائی جائیں گی؟ ایسا تو ضروری نہیں ہے، البتہ اللہ کے حکم سے ایسا ہوسکتا ہے، اگر چہ کبھی بھی اس کا وجود نہ پایا جائے، تو ہر تحتِ قدرت شے کے لئے ضروری نہیں ہے کہ اس کا وجود بھی پایا جائے۔

☆☆☆☆☆

عقیدہ نمبر 15: وہ ہر کمال وخوبی کا جامع ہے، اور ہر اس چیز سے جس میں عیب ونقصان ہے پاک ہے، یعنی عیب ونقصان کا اس میں ہونا محال ہے، بلکہ جس بات میں نہ کمال ہو نہ نقصان، وہ بھی اس کے لئے محال، مثلاً: جھوٹ، دغا، خیانت، ظلم، جہل، بے حیائی، وغیرہا عیوب اس پر قطعاً محال ہیں، اور یہ کہنا کہ جھوٹ پر قدرت ہے بایں معنی کہ وہ خود جھوٹ بول سکتا ہے، محال کو ممکن ٹھرانا اور خدا کو عیبی بتانا بلکہ خدا سے انکار کرنا ہے، اور یہ سمجھنا کہ محالات پر قادر نہ ہوگا تو قدرت ناقص ہوجائے گی باطلِ محض ہے، کہ اس میں قدرت کا کیا نقصان! نقصان تو اس محال کا ہے کہ تعلقِ قدرت کی اس میں صلاحیت نہیں۔

مشکل الفاظ کے معانی:

محال (ناممکن)......قطعاً (بلکل)......بایں معنی (اس معنی کے طور پر)

ناقص (نقص والا)......باطلِ محض (خالص گڑھی ہوئی بات)......

تعلقِ قدرت (قدرت کے ساتھ متعلق ہونا)......

وَضَاحَت: دنیا میں جسے کمال، جمال، ذہانت فطانت، متانت، ملکہ ومہارت حاصل ہے وہ رب العلمین ہی کا دیا ہوا ہے تو جو خود دوسروں کو کمالات وخوبیوں سے نوازنے والا ہے وہ کیونکر کمال وخوبی کا جامع نہیں ہوگا بے شک لَاجَرَمْ اللہ عزوجل رب العزت کی ذات تمام کمالات وخوبیوں کی جامع ہے......اَور خالق کائنات ہر اس چیز سے پاک ہے جس میں عیب ونقصان ہوتا ہے، یعنی عیب و نقصان کا اس میں ہونا محال ہے......کیونکہ اللہ تعالی سبحان ہے، سبحان ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالی کو ہر ہر عیب ونقص سے پاک مانا جائے......بلکہ جس بات میں نہ کوئی کمال ہو نہ نقص وہ بھی اس کے لئے محال ہے......کیونکہ اللہ تعالی حکیم ہے، اور حکیم سے ایسا معاملہ محال

ہے......مثلاً جھوٹ، دغا، خیانت، ظلم، جہل، بے حیائی، اوران کے علاوہ عیوب اللہ تعالی پر قطعاً (یعنی یقینی طور پر بلا شک وشبہ) محال ہیں اور (مخالفین کا) یہ کہنا کہ اللہ تعالی جھوٹ پر قادر ہے ان معنوں میں کہ وہ (معاذ اللہ) خود جھوٹ بول سکتا ہے یہ محال کو ممکن ٹھہرانا اور خدا کو عیبی بتانا بلکہ خدا سے انکار کرنا ہے اور یہ سمجھنا کہ محالات پر قادر نہ ہوگا تو قدرت ناقص (یعنی نقص والی) ہو جائے گی باطلِ محض (یعنی خالص گڑھی ہوئی بات) ہے، کیونکہ اس میں قدرت کا نقص نہیں ہے! نقص تو اس محال میں ہے کہ اس میں تحتِ قدرت آنے کی صلاحیت نہیں ہے۔

(اس کی مزید وضاحت عقیدہ نمبر **12** کے تحت گذر چکی ہے)

عقیدہ نمبر 16 : حیات، قدرت، سننا، دیکھنا، کلام، علم، ارادہ، اس کے صفاتِ ذاتیہ ہیں، مگر کان، آنکھ زبان سے اس کا سننا، دیکھنا، کلام کرنا نہیں، کہ یہ سب اَجسام ہیں، اور اَجسام سے وہ پاک ہے۔ ہر پست سے پست آواز کو سنتا ہے، ہر باریک سے باریک کہ خوردبین سے محسوس نہ ہو وہ دیکھتا ہے، بلکہ اس کا دیکھنا اور سننا، انہیں چیزوں پر منحصر نہیں، ہر موجود کو دیکھتا ہے، اور ہر موجود کو سنتا ہے۔

وَضَاحَت: زندہ ہونا، قدرت والا ہونا، سننا، دیکھنا، ارادہ کرنا، علم، کلام کرنا، یہ سب اللہ تعالی کی صفاتِ ذاتیہ ہیں، مگر وہ سننے کے لئے کان کا، دیکھنے کے لئے آنکھ کا، کلام کرنے کے لئے زبان کا محتاج نہیں کیونکہ یہ سب اجسام ہیں اور رب تعالی اجسام سے پاک ہے، ہر ہلکی سی ہلکی آواز کو سنتا ہے، ہر باریک سے بارک چیز جس کو خوردبین (ایک ایسا آلہ جس کے ذریعے چھوٹی سے چھوٹی چیز اپنی جسامت سے کئی گنا بڑی نظر آتی ہے) سے بھی نہ دیکھا جا سکتا ہو، یا دنیا کے کسی بھی آلہ کے ذریعہ نہ دیکھا جا سکتا ہو اللہ تعالی وہ بھی دیکھتا ہے، خالق کائنات عزوجل کا دیکھنا اور سننا، انہیں چیزوں پر منحصر نہیں ہے بلکہ وہ ہر موجود کو دیکھتا ہے، اور ہر موجود کو سنتا ہے۔

صِفَاتِ ذَاتِیہ:

صفاتِ ذاتیہ وہ ہیں کہ جن صفاتِ مخصوصہ کے ساتھ وہ موصوف ہے ان کی ضد کے ساتھ وہ موصوف نہ ہو سکے جیسے...... حیات، علم، قدرت، ارادہ، سماعت، بصارت، کلام، تکوین...... کہ ان کی ضد سے وہ موصوف نہیں ہو سکتا، یعنی معاذ اللہ اس کو مردہ، جاہل، عاجز، مجبور، بہرا، اندھا، گونگا، بیکار نہیں کہہ سکتے، کیونکہ یہ سب باتیں عیب اور نقصان کی ہیں اور وہ عیب اور نقصان سے پاک ہے، ان صفات کو "اُمَّهَاتُ الصِّفَاتْ" بھی کہتے ہیں۔

عقیدہ نمبر 17: مثلِ دیگر صفات کے، کلام بھی قدیم ہے، حادث ومخلوق نہیں، جو قرآن عظیم کو مخلوق مانے ہمارے امام اعظم ودیگر ائمہ رضی اللہ تعالی عنھم نے اسے کافر کہا، بلکہ صحابہ رضی اللہ تعالی عنہ سے اس کی تکفیر ثابت ہے۔

وَضَاحَت: جس طرح اللہ رب العزت کی دیگر صفات قدیم ہیں اِسی طرح کلام بھی قدیم ہے، حادث ومخلوق نہیں ہے، جو قرآن مجید کو مخلوق مانے ہمارےِ امامِ اَعظم رضی اللہ عنہ اور دیگر ائمہ رضی اللہ عنھم نے ایسے شخص کو کافر کہا ہے، بلکہ صحابہ کرام سے بھی اس کی تکفیر (یعنی ایسے شخص کو کافر قرار دینا) ثابت ہے۔

کتاب ''الفقه الاکبر'' صفحہ 28 میں ہے:

وَالْقُرْآنُ كَلَامُ اللّٰهِ تَعَالٰى فَهُوَ قَدِيْمٌ .

یعنی : قرآن مجید اللہ تعالی کا کلام ہے پس وہ قدیم ہے۔

منح الروض الازہر میں ہے:

قَالَ الْإِمَامُ الْاَعْظَمُ فِيْ كِتَابِهِ ''اَلْوَصِيَّة'': مَنْ قَالَ بِاَنَّ كَلَامَ اللّٰهِ تَعَالٰى مَخْلُوْقٌ فَهُوَ كَافِرٌ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ.

یعنی: امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اپنی کتاب الوصیۃ میں فرماتے ہیں: جس نے اس طرح کہا: کہ اللہ تعالی کا کلام مخلوق ہے تو وہ اللہ الْعَظِيْم عزوجل کے ساتھ کفر کرنے والا ہے۔

(منح الروض الازہر :ص26)

عقیدہ نمبر 18:اس کا کلام آواز سے پاک ہے اور یہ قرآن عظیم جس کو ہم اپنی زبان سے تلاوت کرتے مَـصَـاحِف میں لکھتے ہیں،اُسی کا کلام قدیم بلاصوت ہے،اور یہ ہمارا پڑھنا،لکھنا،اور آواز حادث،یعنی ہمارا پڑھنا حادث ہے،اور جو ہم نے پڑھا قدیم، اور ہمارا لکھنا حادث،اور جو لکھا قدیم،ہمارا سننا حادث ہے اور جو ہم نے سنا قدیم،ہمارا حفظ کرنا حادث ہے اور جو ہم نے حفظ کیا قدیم،یعنی متجلی قدیم ہے اور تجلی حادث۔

مشکل الفاظ کے معانی:......مُتَجَلّی (یعنی کلام الٰہی قدیم ہے)......

تَجَلِّی (یعنی ہمارا لکھنا،پڑھنا،سننا،یاد کرنا یہ سب حادث ہے)..................

مَصَاحِف (مصحف کی جمع مصاحف......رجسٹرڈ،اوراق)......

قدیم (جو ہمیشہ سے ہو)......بلاصَوت (یعنی بغیر آواز کے)......

اس پورے عقیدہ کا آسان الفاظ میں خلاصہ:۔

صفات ذاتیہ میں سے رب تعالی کی ایک صفت کلام بھی ہے،وہ صفتِ کلام جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے وہ تو حروف اور اَصوات (آوازوں) کی ترکیب سے پاک ہے،اِس کو کَلَامِ نَـفْـسِـی کہتے ہیں......اور......جو حروف اور اصوات (آواز) کی ترکیب سے ہم پڑھتے ہیں اور حفظ (یعنی یاد) کرتے ہیں،وہ کَلَامِ لَفْظِیْ ہے،......اس کو "**کَلَامُ اللّٰه**" اس معنی کے طور پر کہتے ہیں کہ یہ الفاظ اور عبارات خاص اللہ کی بنائی ہوئی ہیں مخلوقات کی تالیفات سے نہیں......اِنھیں اعجازی اَلفاظ اور عبارات کے مثل لانے کا اللہ تعالی نے کفار سے مطالبہ کیا ہے،پس کَلَامِ لَفْظِی دال (یعنی دلالت کرنے والا ہے،رہنمائی کرنے والا ہے) اُس معنیٰ مدلول پر جو کلامِ نفسی ہے۔(توضیح العقائد،ص 31)

معنئ مدلول یعنی (جس معنی کی طرف رہنمائی کی گئی ہو،دلالت کی گئی ہو) یاد رہے! کَـلَامِ

لَفظِی قدیم نہیں ہے (یعنی الفاظِ قرآنی قدیم نہیں بلکہ وہ کَلامِ نَفسِی کی طرف اشارہ کرنے والے ہیں) قدیم وہی معنیٰ (اور مفہوم) ہے جس سے وہ موصوف ہے، اُسی کو کَلامِ نَفسِی کہتے ہیں۔ (توضیح العقائد، ص 31)

عقیدہ نمبر 19: اس کا علم ہر شے کو محیط، یعنی جزئیات، کلیات، موجودات، معدومات، ممکنات، محالات، سب کو ازل میں جانتا تھا، اور اب جانتا ہے اور ابد تک جانے گا، اشیاء بدلتی ہیں اس کا علم نہیں بدلتا، دلوں کے خطروں اور وسوسوں پر اس کو خبر ہے، اور اس کے علم کی کوئی انتہاء نہیں۔

وَضَاحَت: رب العزت کے علم نے تمام اشیاء کو گھیرا ہوا ہے، یعنی وہ جزئیات ہوں، کلیات ہوں، وجود ہو یا نہ ہو...... یا...... جن چیزوں کا وجود ہی ناممکن ہے سب کو ہمیشہ سے جانتا ہے...... چیزیں اپنی حالت سے تبدیل ہوتی رہتی ہیں مگر اللہ کا علم نہیں بدلتا، دلوں میں آنے والی ہر بات کو جانتا ہے، اس کے علم کی کوئی انتہاء نہیں ہے۔

شرح مواقف میں ہے:

اللہ تعالیٰ کا علم تمام مفہومات کو شامل ہے، خواہ وہ ممکن ہو، یا واجب، یا ممتنع۔

(الشرح المواقف، ج۸، ص ۷۰)

عقیدہ نمبر 20: وہ غیب وشہادت، سب کو جانتا ہے، علمِ ذاتی اسی کا خاصہ ہے، جو شخص علمِ ذاتی، غیب خواہ شہادت کا غیر خدا کے لئے ثابت کرے کافر ہے، علمِ ذاتی کا یہ معنی کہ بے خدا کے دیئے خود حاصل ہو۔

عقیدہ نمبر 21: وہی ہر شے کا خالق ہے، ذوات ہوں، خواہ اَفعال، سب اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔

عقیدہ 20 کی وضاحت: اللہ سبحانہ وتعالی ہر پوشیدہ وظاہر کو جانتا ہے، علمِ ذاتی اسی کا خاصہ ہے، جو شخص علمِ ذاتی غیر خدا کے لئے ثابت کرے کافر ہے، علمِ ذاتی کا معنی یہ ہے کہ بے خدا کے دیئے خود حاصل ہو جائے۔

عقیدہ 21 کی وضاحت: اللہ جل جلالہ ہی ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے، حقیقۃ وہی خالق ہے۔

وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ وَمَاتَعْمَلُوْنَ۔۔

اور اللہ نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے اعمال کو (الصافات، 96)

کُلِ اللّٰہُ خَالِقُ کُلِ شَیْءٍ.. تم فرماؤ اللہ ہر چیز کا بنانے والا ہے (الرعد، 16)

اِنَّا کُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنَاہُ بِقَدَرٍ۔

بے شک ہم نے ہر چیز ایک اندازے سے پیدا فرمائی (القمر، 49)

عــقیدہ نمبر 22: حقیقۃ روزی پہنچانے والا وہی ہے، ملائکہ وغیرہم وسائل ووسائط ہیں۔

وضــاحت: حقیقی طور پر اللہ ﷻ رب العزت ہی روزی دینے والا ہے، اللہ ﷻ کی عطا سے اس کے فرشتے اور مقبول بندے جو عطا کرتے ہیں وہ وسیلہ وذریعہ ہیں۔

فَالۡمُقَسِّمٰتِ اَمۡرًا (پ 26، الذاریات، 4) (پھر حکم سے بانٹنے والیا)

مذکورہ آیت کی تفسیر میں علامہ مولانا نعیم الدین مرادآبادی علیہ رحمۃ الھادری لکھتے ہیں: یعنی فرشتوں کی وہ جماعتیں جو بحکمِ اِلٰہی بارش ورزق وغیرہ تقسیم کرتی ہیں اور جن کو اللہ تعالی نے مدبرات الارض کیا ہے اور عالم میں تدبیر وتصرف کا اختیار عطا فرمایا ہے۔

(خزائن العرفان۔تحت الآیہ پ 26، الذاریات، 4)

اِنَّ اللّٰهُ هُوَ رَزَّاقُ ذُوالۡقُوَّةِ الۡمَتِيۡنُ (پ 27، الذاریات، 58)

بے شک اللہ ہی بڑا رزق دینے والا، قوت والا، قدرت والا ہے۔

☆☆☆☆☆

عقیدہ نمبر 23: ہر بھلائی برائی، اس نے اپنے علمِ ازلی کے موافق مقدّر فرمادی ہے، جیسا ہونے والا تھا اور جو جیسا کرنے والا تھا، اپنے علم سے جانا اور وہی لکھ لیا، تو یہ نہیں کہ جیسا اس نے لکھ دیا ویسا ہم کو کرنا پڑتا ہے، بلکہ جیسا ہم کرنے والے تھے، ویسا اس نے لکھ دیا۔ زید کے ذمہ برائی لکھی اس لئے کہ زید برائی کرنے والا تھا، اگر زید بھلائی کرنے والا ہوتا وہ اس کے لئے بھلائی لکھتا، تو اس کے علم یا اس کے لکھ دینے نے کسی کو مجبور نہیں کردیا۔ تقدیر کے انکار کرنے والوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اُمت کا مجوس بتایا۔

مشکل الفاظ کے معانی:

موافق (مطابق)......مقدر (یہاں بمعنی تحریر)

وَضَاحَت : اللہ تعالی نے اپنے علمِ ازلی کے مطابق ہر بھلائی، برائی لکھ دی ہے، جیسا ہونا تھا اور جو جیسا کرنے والا تھا، اللہ عزوجل نے اپنے علم سے جانا اور وہی لکھ دیا، لیکن ایسا نہیں ہے کہ جیسا اس نے لکھ دیا تو (مجبوراً) ہمیں ایسا کرنا پڑتا ہے، بلکہ جیسا ہم کرنے والے تھے وہی اس نے علمِ ازلی سے جان کر لکھ دیا، اس کے علم یا اس کے لکھنے کی وجہ سے کوئی مجبور نہیں ہوا ہے۔

☆☆☆☆☆

عقیدہ نمبر24: قضاء تین قسمیں ہیں۔

(1) **مُبْرَمِ حقیقی**، کہ علمِ الٰہی میں کسی شے پر معلق نہیں۔

(2) اور **مُعَلَّقِ مَحض**، کہ صحفِ ملائکہ میں کسی شے پر اس کا معلق ہونا ظاہر فرما دیا گیا ہے۔

(3) **مُعَلَّق شبیہ بہ مُبْرَم**، کہ صحف ملائکہ میں اس کی تعلیق مذکور نہیں، اور علمِ الٰہی میں تعلیق ہے۔

......(اس عقیدہ کی بقیہ عبارت آگے آ رہی ہے)......

مشکل الفاظ کے معانی:

مُبْرَمُ (پختہ کی گئی، ایسی جو تبدیل نہیں ہو سکتی)......مُعَلَّق (لٹکی ہوئی، تبدیلی ممکن)

صُحُفُ (رجسٹرڈ)......مَلَائِکَہ (فرشتے)

قضا کا معنٰی: (فیصلہ کرنا)......هُوَ عِبَارَةٌ عَنِ الْفِعْلِ مَعْ زِيَادَةِ الْاَحْكَامِ

اور قضا مضبوط کام کو کہتے ہیں. (یہاں قضا کا معنی تقدیر ہے)

(الشرح العقائد النسفیة، ص204 مطبوعه مکتبة المدینه)

﴿تَقدِیر کا لُغوی و اِصطلاحی مفہوم﴾

تَقدِیر کا لُغوی مَعنٰی ھے: (اندازہ کرنا) جیسے فرمان باری تعالی ہے:......

كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ (ہم نے ہر چیز ایک اندازے سے پیدا فرمائی) کبھی بمعنیٰ قضاء اور فیصلہ بھی آتی ہے اصطلاح میں اس اندازے اور فیصلے کا نام تقدیر ہے۔

شرعی و اصطلاحی تعریف: ہر مخلوق کی اس کے اچھائی، برائی، فائدہ

ونقصان......اس زمانہ (مدت حیات) اس کے رہنے کی جگہ اور اس کے ثواب وعذاب کی مقررہ کردہ حد کا نام اس کی تقدیر ہے۔(الشرح العقائدالنسفیة،ص 204مطبوعه مکتبة المدینه)

مسئله تقدیر میں تین مذہب ہیں: (1) جَبْرِیَہ (2) قَدْرِیَہ (3) اَهْلِسُنَّت......

......**جَبْرِیَہ:** بندہ کو پتھر کی طرح مجبورِ محض مانتے ہیں، ان بے وقوفوں کے نزدیک پنکھے اور ہاتھ کی حرکت میں کوئی فرق ہی نہیں، ان کے ہاں قلم اور کاتب دونوں یکساں (برابر) ہیں، کہ نہ قلم کو اختیار ہے نہ کاتب کو دونوں خدا کے حکم سے کٹھ پتلی کی طرح چل رہے ہیں......یعنی ان کا نظریہ ہے کہ انسان کو کسی طرح کا کوئی اختیار حاصل نہیں ہے اِنسان تقدیر میں لکھی ہوئی باتوں کی وجہ سے کٹھ پتلی کی طرح بے بس و مجبور چل رہا ہے۔

...... **قَدْرِیَہ:** بندہ کو مختارِ مطلق مانتے ہیں اور تقدیر کے منکر ہیں ان بے وقوفوں کے نزدیک رب اور بندہ میں کوئی فرق نہیں...... یہ انسان کے لئے ہر طرح کا اختیار مانتے ہیں۔

......ہم **اَهْلِسُنَّت:** بندہ کو خلق میں مجبور اور کسب میں بعطاءِ الٰہی مختار مانتے ہیں...... **خلق کا معنی** پیدا کرنا، معدوم کو وجود بخش دینا...... یہ صرف رب کا کام ہے، فرماتا ہے: خَالِقُ كُلِّ شَیْء (ہر شے کو پیدا کرنا والا (اللہ ہے)) اور فرماتا ہے: خَلَقَكُمْ وَمَاتَعْمَلُوْن (یعنی: اس نے تمہیں اور جو کچھ تم کرتے ہو اسے (بھی) پیدا کیا) **کسب کا معنی** ہے: اسباب اختیار کرنا...... یہ کام بندہ کا ہے...... حلق پر چھری چلانا بندہ کا کام ہے، پھر جانور کو مردہ کر دینا رب کا کام ہے......لہذا بندہ ذَابِح (یعنی ذبح کرنے والا) تو ہے مگر مُمِیْت یعنی موت دینے والا نہیں، مُمِیْت رب تعالیٰ ہی ہے۔

ہمارے مذہب کا خلاصہ یہ ہے: کہ اگرچہ ہر کام رب کے ارادے سے ہوتا ہے، مگر بعض وہ کام ہیں جن میں بندہ کے ارادے کو کچھ دخل نہیں، جیسے ہماری نبض اور قلب کی حرکت اس پر نہ عذاب نہ

ثواب اور بعض وہ کام ہیں جن میں بندہ کے اختیار کو بھی دخل ہے، جیسے ہمارے ہاتھ پاؤں وغیرہ کی اختیاری حرکتیں ان پر ثواب وعذاب ہے کوئی شخص مسئلہ تقدیر کا انکار کر کے خدا کو نہیں مان سکتا، اس کا عمدہ فیصلہ اسلام نے کیا، آج اگر ہم قتل یا چوری کر کے حاکم سے کہیں! کہ ہم بے قصور ہیں، رب نے کرایا کبھی نہ مانے گا۔(تفسیر نعیمی ج3ص26)

ایک جبریہ کی توبہ

مثنوی شریف میں ہے کہ ایک جبریہ مذہب کا آدمی انگور کے باغ میں گیا اور پھل کھانے لگا، اتفاقاً باغ کا مالک آ گیا، اور بولا! کہ میری اجازت کے بغیر پھل کیوں توڑتا ہے؟ وہ بولا! کہ خدا کا بندہ خدا کے حکم سے خدا کا پھل کھا رہا ہے، میرا اس میں کیا اختیار ہے، تُو رب عزوجل سے کہہ! کہ تیرے پھل کیوں تڑوا رہا ہے، مالک بولا: بہت اچھا! غلام کو حکم دیا، اسے باندھ دو، بندھوا کر پیٹنے لگا، جبریہ نے شور مچایا، مالک نے کہا کیوں چیختا ہے، خدا کا بندہ خدا کی رسی میں تجھے خدا کے حکم سے پیٹ رہا ہے، تُو اُس سے کہہ! کہ مجھے کیوں پٹوا رہا ہے، تب جبریہ نے کہا:

گفت توبہ کردم از جبر اختیار اختیار است اختیار است اختیار

میں جبر سے توبہ کرتا ہوں اور اقرار کرتا ہوں کہ واقعی بندہ کو بھی اختیار ہے، پھر فرماتے ہیں کہ اے بیوقوف اگر تو کتے کو پتھر مارے تو کتا پتھر کو نہیں کاٹتا، تجھے کاٹتا ہے، وہ سمجھتا ہے کہ پتھر مجبور ہے، تو مختار، بے عقل کتا تجھ میں اور پتھر میں فرق کرتا ہے، اگر تو فرق نہ کرے تو کتے سے بھی زیادہ بے وقوف ہے۔

یاد رکھئے! مستقبل (future) میں جو کچھ معاملات ہونے والے تھے اللہ تعالیٰ نے کائنات کو اَزل میں (جب اللہ کے سوا کچھ نہ تھا) اپنے علم اور ارادۂ اَزلی کے ساتھ تقدیر کیا یعنی اندازہ

کرلیا کہ فلاں وقت، فلاں مکان میں، فلاں شے بری یا بھلی نَـافِـع (نفع دینے والی) یامُـضِـرّ (ضرر دینے والی) ہوگی، اس طرح کوئی ذرہ اس کی تقدیر سے باہر نہیں رہا، رب تعالی نے تختی پیدا فرمائی قلم پیدا فرمایا......فرمایا: لکھ! کہا کیا لکھوں فرمایا: جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہو گا سب لکھ دے۔

ترمذی کی روایت ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا:

بے شک اللّٰہ تعالی نے سب سے پہلے جو چیز پیدا فرمائی وہ قلم ہے، پھر اس کو کہا لکھ، اس نے کہا کیا لکھوں؟ فرمایا: تقدیر لکھ، تب اس نے جو کچھ ہو چکا، اور جو ہمیشہ تک ہو گا لکھ دیا۔

(سنن الترمذی کتا ب کتاب القدر، الحدیث: ٢١٦٢ ج ٤/٦٢)

سوال: جب سورج چاند ستارے، وغیرہ کچھ بھی نہیں تھے دن رات نہ تھے کوئی زمانہ نہ تھا پھر حدیث میں یہ کیوں کہا گیا کہ **(جو کچھ ہوچکا لکھ دیا)** تقدیر لکھنے سے پہلے کیا ہوا تھا؟

جواب: مفتی احمد یار خان اس حدیثِ پاک کے شرح میں فرماتے ہیں کہ: "**ہوچکا**" فرمانا اپنے زمانہ پاک کے لحاظ سے ہے (یعنی سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا: کہ جو کچھ ہو چکا مطلب سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے پہلے جو کچھ ہو چکا) تحریر کے وقت نہ ہو چکا تھا (اس وقت) ہر چیز مستقبل تھی (مراۃ ج1، ص **107**)

مسلم کی ایک روایت کے مطابق اللہ تبارک وتعالی نے زمین وآسمان کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پہلے لوگوں کی تقدیریں لکھوادیں چنانچہ:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ اللّٰہ تعالی نے مخلوق کی تقدیریں زمین وآسمان کی پیدائش سے پچاس ہزار (**50,000**) برس پہلے لکھ دیں (لوحِ محفوظ میں ثبت فرمادی)

(صحیح مسلم، کتاب القدر،مشکوۃ المصابیح، کتاب الایمان،الحدیث:۷۹،ج ۱/۳۶)

اب جو اللہ تعالی نے لکھوایا ہے وہ (2) دوطرح کا ہے:

نمبر(1) جو مکمل طور پر ہمارے قدرت و اختیار میں ہے...... یہ اللہ کی طرف سے ہمارے لئے فیصلہ نہیں ہے بلکہ مستقبل میں ہماری کوششوں کا رزلٹ (RESULT) ہے...... **کفر ، اسلام ، نیکی بدی ،اچھائی برائی ،صحیح، غلط** ،ان تمام کے ارتکاب میں انسان کو اللہ عزوجل نے مختار کیا ہے، بندوں کی ہدایت ورہنمائی کے لئے بعثتِ انبیاء، نزولِ کتبِ سماویہ، تبلیغِ دین کرنے والے علماء وفقہاء کو پیدا فرمایا اور فیصلہ ہمارے ہاتھ میں رکھ دیا...... کہ نیکی اختیار کرو یا بدی، کفر یا اسلام، اس میں تمہاری مرضی ہے، لیکن اسلام و نیکی اختیار کرو گے تو جنت میں جاؤ گے کفر و بدی اختیار کرو گے تو جہنم میں جاؤ گے۔

اور نمبر(2) جس کی تبدیلی میں ہمیں کوئی قدرت و اختیار نہیں ہے، اسے ہم بدل ہی نہیں سکتے، جیسا رب تعالی نے فیصلہ کیا ویسا ہی ہوگا...... **کفر، اسلام، نیکی بدی،اچھائی برائی،صحیح، غلط** ......ان امور کے علاوہ ہم سب چیزوں میں غیر مختار اور مجبور ہیں...... مثال کے طور پر کس کو کتنا رزق ملے گا، کس کے ذریعے سے ملے گا، کس سے شادی ہوگی، کتنے بچے ہونگے، کتنے لڑکے ہونگے، کتنی لڑکیاں ہونگیں، کون کب پیدا ہوگا، کون کب مرے گا، کس کو کس کے گھر میں پیدا ہونا ہے، کس کے گھر میں مرنا ہے، اسمیں ہمیں کوئی قدرت و اختیار حاصل نہیں ہے ان سب میں ہم مجبورِ محض ہیں لیکن چونکہ ہمارے نبی کریم ﷺ کا یہ طریقہ رہا ہے کہ ہر کام میں تدبیر اختیار کی، تو ہم بھی تدبیر ضرور اختیار کریں گے، کوشش کریں گے...... ایسا کرنا ہرگز صحیح نہیں ہوگا کہ" ہم گھر کے ایک کونے میں بیٹھ جائیں، محنت مزدوری، وغیرہ کوئی کام نہ کریں اور کہیں کہ جتنی روزی تقدیر میں لکھی ہے اتنی ہی تو ملنی ہے" بلکہ ہم کوشش کریں گے، محنت کریں گے، لیکن یہ بھی

یاد رہے کہ اس کوشش کا نتیجہ ہماری ضرورتوں کے مطابق نکلے، یہ ضروری نہیں ہے، بلکہ ہوگا وہی جس کا اللہ نے فیصلہ فرمایا ہے۔

سوال: بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہماری تقدیر میں زنا، چوری کرنا وغیرہ لکھا تھا اسی لئے کیا اس میں ہم کیا کر سکتے ہیں ان کا یہ کہنا کیسا؟

جواب: ایسا کہنا انتہائی درجے کی بے وقوفی پر دال ہے، پیچھے یہ بات گذر چکی کہ **کفر، اسلام، نیکی بدی، اچھائی برائی، صحیح، غلط**، ان تمام کے ارتکاب میں ہمیں اختیار دیا گیا ہے، ان معاملات میں تقدیر نے کسی کو مجبور و بے بس نہیں کیا لہذا کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ دیکھو اللہ تبارک وتعالی نے میرے مقدر میں چوری لکھی تھی تبھی تو میں نے چوری کی ہے...... یہ کہنا بلکل غلط ہوگا۔

کیونکہ ان معاملات میں لکھنے سے کوئی مجبور نہیں کیا گیا...... بلکہ جو شخص چوری کرنے والا تھا اللہ تبارک وتعالی نے اپنے علمِ ازلی سے اسے جانا پھر لکھ دیا...... ہوا یہ ہے کہ اللہ تعالی نے ہماری پیدائش سے پہلے ہی جان لیا کہ کون کون کیا کیا کرے گا، جس کو جو کرتے پایا وہ لکھ دیا۔

اس کو آپ اس مثال سے سمجھئے! مثلاً آپ نے ایک ویڈیوں چلائی...... اس میں آپ نے دیکھا کہ ایک آدمی بھاگ رہا ہے...... آپ نے ایک کتاب لی اور جو کچھ اس ویڈیو میں ہوگا وہ آپ لکھنا چاہتے ہیں...... آپ نے لکھا کہ سب سے پہلے آدمی بھاگتا ہے، پھر وہ کسی سے لڑنے لگا، آپ نے لکھا کہ اس کے بعد وہ لڑے گا، پھر اس نے کسی کا قتل کر دیا، آپ نے لکھا اس کے بعد وہ قتل کرے گا، پھر اسے کسی نے مار دیا، تو آپ نے لکھا کہ اس کے بعد وہ مر جائے گا۔

پھر آپ کا ایک دوست آیا آپ نے اس سے کہا کہ: آیئے میں آپ کو ایک مووی دکھاتا

ہوں آپ نے وہ مووی چلائی اور دوست کو وہی کتاب دے دی جس میں ویڈیو کی کہانی موجود ہے، اور اس سے کہا کہ جو کتاب میں لکھا ہوا ہے اسے بھی دیکھتے رہو اور مووی بھی دیکھتے رہو، جیسا اس میں لکھا ہوا ہے ویسا ہی ہوتا جائے گا، دوست نے کتاب لی اور دیکھا کہ لکھا ہے اب آدمی بھاگے گا، مووی میں دیکھا تو واقعی وہ بھاگنے لگا، لکھا تھا کہ وہ لڑے گا، دیکھا تو وہ لڑنے بھی لگا، لکھا تھا کہ وہ قتل کرے گا ویڈیو میں دیکھا تو وہ قتل بھی کرنے لگا، لکھا تھا مر جائے گا، دیکھا تو وہ مر بھی گیا۔

اب ذرا غور کیجئے! کہ دوسری بار جو معاملات ہو رہے تھے وہ لکھنے کی وجہ سے تو نہیں ہو رہے تھے بلکہ اس کو پہلے یہ کام کرتے دیکھ لیا گیا تھا، کہ یہ کیا کیا کرے گا۔

بلا تمثیل دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ لکھنے کی وجہ سے مقید نہیں ہوا بلکہ اللہ تعالی نے پہلے اپنے علم ازلی سے اسے جانا کہ کون کون کیا کیا کرے گا، اس نے سب کچھ ملاحظہ فرما کر لکھ دیا۔

مثال کے طور پر ایک شخص کو دیکھا کہ وہ چوری کر رہا ہے فرمایا: لکھو کہ وہ فلاں وقت میں چوری کرے گا......اب وہ چوری اس لئے نہیں کرے گا کہ اس کا چوری کرنا لکھ دیا گیا ہے بلکہ وہ تو چوری کرنے والا تھا تو اللہ تعالی نے اپنے علم وقدرت سے اسے کرتے دیکھا اور لکھ دیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالی لوح محفوظ میں لکھتا یا نہ لکھتا، ایک آدمی کو چوری کرتا ہوا ملاحظہ فرمایا: اب وہ چوری ضرور کرے گا، اس لئے نہیں کہ لکھ دیا گیا تھا بلکہ اللہ تعالی نے پہلے اسے چوری کرتے ہوئے ملاحظہ فرما لیا تھا۔

سوال: جو کچھ اللہ تعالی نے لوحِ محفوظ میں لکھوایا ہے کیا وہ بدل جائے گا یا نہیں؟

جواب: جو کچھ اللہ تعالی نے لوحِ محفوظ میں لکھوا دیا اس میں تبدیلی بلکل نہیں ہو سکتی، اس لئے کہ یہ اللہ تعالی کا ہمارے لئے فیصلہ ہو چکا ہے، اگر وہ بدل جائے تو اس سے اللہ تعالی

کے علم اور وسعت کا ناقص ہونا ظاہر ہوگا کہ اللہ تعالی صحیح سے دیکھ نہیں پایا، اس کو صحیح علم نہیں تھا، مثال کے طور پر اللہ تعالی نے لکھوایا تھا، کہ ایک شخص فلاں ٹائم نماز پڑھے گا، اب اگر وہ شخص نماز نہ پڑھے چوری کر لے، ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا، اسی طرح ایک آدمی کے لئے لکھوایا تھا کہ وہ جہنمی ہے، اور وہ جنتی ہوگیا، تو اس سے یہ ثابت ہوگا کہ اللہ کو علم نہیں تھا...... ایسا بھی ہرگز نہیں ہوسکتا، اس کے علاوہ کثیر احادیثِ مبارکہ اور قرآنی آیات یہ ثابت کرتی ہیں کہ جو لوح محفوظ میں لکھوایا گیا ہے، وہ ثابت شدہ ہے اس میں تبدیلی نہیں ہوسکتی نہ اس میں کمی ہوسکتی ہے نہ زیادتی، چنانچہ فرمان الٰہی ہے:

لَاتَبْدِیْلَ لِکَلِمَاتِ اللّٰہِ (پ 11، یونس)

مَایُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ (میرے یہاں بات بدلتی نہیں)

اَعْلٰحضْرَتْ عَلَیْہِ رَحْمَۃ اس کے متعلق فرماتے ہیں:

اللہ تعالی کی قضاءِ مبرم کو کوئی ٹالنے والا نہیں اور کوئی اس کے حکم کو باطل کرنے والا نہیں، ورنہ جہل باری لازم آئے گا، اللہ تعالی اس سے بہت بلند ہے، (المعتمد والمستند، حاشیہ نمبر: 77 ص: 55-54) خلاصہ یہ ہے کہ جو کچھ لوح محفوظ میں لکھا گیا ہے، انسان وہی عمل کرے گا اور مجبور ہو کر نہیں کرے گا بلکہ اللہ تعالی نے اسے پہلے اپنے علم اور وسعت سے ملاحظ فرمایا پھر جو وہ کرنے والا تھا وہ لکھ دیا۔

سوال: جب اللہ تعالی نے سارے معاملات دیکھ لئے تھے، اسے سب معلوم تھا کہ کون کیا کیا کرنے والا ہے، پھر یہ لکھنا کیسا؟

جواب: یہ لکھنا معاذ اللہ اس لئے نہیں تھا کہ اللہ تعالی بھول جائے گا، بلکہ اس کا منشاء فرشتوں اور بعض محبوب انسانوں کو اس پر مطلع کرنا تھا، رب تعالی نے اپنے علم اور قدرت کے اظہار کے

لئے لوگوں کی تقدیریں لکھوائیں، تاکہ لوگ اعتراف کریں کہ اللہ تعالی کا علم کتنا وسیع، کتنا زبردست ہے کہ ہم نے ابھی ایک کام کیا ہی نہیں اور اس نے وہ ملاحظہ فرما کر لکھ دیا کہ فلاں شخص فلاں وقت میں فلاں کام کرے گا۔

تقدیر کی اَقْسام کی وضاحت

تقدیر کی تین قسمیں ھیں:

(1) تقدیرِ مُبْرَم (مُبرَم......اِبْرَامُ سے بنا ہے (یعنی پختہ کی گئی)

تقدیرِ مبرم کا معنی یہ ہوتا ہے کہ وہ تبدیل نہیں ہوسکتی یہ ہمارے حق میں اللہ تعالی کی طرف سے مقرر شدہ فیصلہ ہوتا ہے کسی صورت میں تبدیل نہیں ہوسکتا۔

(2) تقدیرِ مُعَلَّق (مُعَلَّق ،تَعْلِیق سے بنا ہے (یعنی لٹکی ہوئی)

تقدیرِ معلق سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالی فرشتوں کو صحائف لکھ کر دے دیتا ہے مگر اس میں (acurat) بات نہیں ہوتی مثلاً فلاں شخص ایسا کرے گا تو ایسا ہوگا......اور......اگر ایسا کرے گا تو اِس طرح ہوگا......اس راستے سے جائے گا تو ایکسیڈنٹ ہوجائے گا، اس راستے سے جائے گا تو ایکسیڈنٹ نہیں ہوگا......اگر اس کے لئے فلاں بزرگ نے دعا کردی تو یہ کامیاب ہوجائے گا اگر دعا نہیں کی گئی تو ناکام رہے گا۔......یہاں غور کریں تو اس میں کام کے کرنے یا نہ کرنے کو معلق کردیا گیا ہے اس لئے اس کو تقدیرِ معلق کہتے ہیں کہ اس میں دو تین (options) ہوتے ہیں۔

لیکن ہوگا کیا؟ دعا ہوگی یا نہیں ہوگی، اس راستے سے جائے گا یا نہیں جائے گا......؟ جو (Finalresult) ہے وہ لوحِ محفوظ میں لکھ دیا گیا ہے......لیکن فرشتوں کے پاس جو صحائف ہیں اس میں (Finalresult) معلق (لٹکا ہوا ہے) یعنی (confirm) معلوم نہیں ہے مثلاً: اس راستے سے جائے گا تو ایکسیڈنٹ ہوگا اس سے جائے گا تو نہیں ہوگا......فرشتوں کو

بھی معلوم نہیں ہے کہ وہ کس راستے سے جائے گا، وہ سمجھتے ہیں کہ شاید **اِس** راستے سے جائے، شاید **اُس** راستے سے جائے، فیصلہ (acurat) نہیں ہوتا، اور مبرم فیصلہ لوحِ محفوظ میں ہے۔

(3) تَقْدِیرِ مُعَلَّقْ شَبِیْہ بہ مُبْرَمْ (جو حقیقتاً معلق ہے مگر مبرم کے ساتھ مشابہت رکھتی ہے)

یعنی اس میں فرشتوں کے صحائف میں ایک چیز ہی لکھی ہوئی ہے، مثلاً اس راستے سے جائے گا تو ایکسیڈینٹ ہوجائے گا، فرشتے سمجھتے ہیں کہ یہ اللہ کا فیصلہ ہے، لیکن علمِ اِلٰہی میں فیصلہ اس کے خلاف ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ فرشتوں کو بھی اس پر مطلع نہیں فرماتا، اب فرشتے منتظر ہوتے ہیں کہ مثلاً: اس راستے سے یہ شخص جائے گا تو ایکسیڈنٹ ہوجائے گا، لیکن وہ اِسی راستے سے جاتا ہے اور بچ جاتا ہے، معلوم یہ ہوا کہ اللہ کا فیصلہ تو کچھ اور تھا، اور صحف میں جو لکھا ہوا ہے اس میں کچھ اور ہے تو یہ حقیقتاً **معلّق** ہے، اور **شبیہ بہ مبرم** اس لئے ہے کہ اس میں ایک ہی چیز لکھی ہوئی ہے، یہاں پر دو چیزیں جمع ہوگئیں نمبر (1) جو لکھا ہوا ہے اور نمبر (2) جو اللہ کا فیصلہ ہے...... ویسے یہ حقیقتاً معلق ہے، اسے مبرم سے مشابہت اسلئے دی گئی کہ بظاہر اس میں ایک چیز لکھی ہوئی ہیں دو تین (options) نہیں ہیں، فرشتے سمجھتے ہیں کہ اس میں ایک چیز ہے وہ اس کے منتظر ہوتے ہیں لیکن فیصلہ اس کے خلاف ہوجاتا ہے مثال کے طور پر صحائف میں لکھا تھا: ''زید'' کی ''مریم'' سے شادی نہیں ہوگی، لیکن شادی ہوگئی، اب فرشتے حیران ہوجاتے ہیں کہ یہ کیسے ہوگیا...... لیکن ایسا نہیں ہے کہ اس میں جھوٹ لکھ کر دیا گیا ہے بلکہ یہ اللہ کی طرف سے اپنے علم وقدرت کا اظہار اور فرشتوں کو اپنی عاجزی کا احساس دلانا ہے۔

مشکل الفاظ کے معانی :

اَکَابِر (کبیر کی جمع: بڑے بزرگ)......رَحمتِ مَحَضَه (رحمت کے پیکر)......

سَاعِی (کوشش کرنے والا)......وَجَاهَت (عزت،مرتبہ)......رَفِیع (بلند)

رِفْعَتِ عِزّت و وَجَاهَت (عزت ومرتبہ کی بلندی)......نَافِع (نفع دینے والا)

جُمَله مُعْتَرِضَه (یعنی وہ زائد بات جو مقصودِ کلام نہ ہو بلکہ ضمناً اس کا ذکر ہوا ہو یا، وہ جملہ جس کا ماقبل اور مابعد سے کوئی لفظی تعلق نہ ہو)......خَبَاثَت (ناپاکی،غلاظت،گندگی)

دَافِع (دفع کرنے والا،دور کرنے والا)......مُتَوَسِّط (درمیان)......

صُحفِ مَلَائِکه (فرشتوں کے رجسٹر)......

﴿بہارشریعت کی عبارت کا بقیہ حصہ نیچے مذکور ہے﴾

وہ جو مبرمِ حقیقی ہے اس کی تبدیل ناممکن ہے، اکابر محبوبانِ خدا اگر اتفاقاً اس بارے میں کچھ عرض کرتے ہیں تو انہیں اِس خیال سے واپس فرمادیا جاتا ہے، ملائکہ قومِ لوط پر عذاب لے کر آئے، سیدنا ابراہیم خلیل اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا الْکَرِیْمِ وَعَلَیْهِ اَفْضَلُ الصَّلٰوۃ وَالتَّسْلِیْم کہ رَحمتِ مَحضَہ تھے، ان کا نام پاک ہی ابراہیم ہے، یعنی اَبِ رَحِیْم، مہربان باپ، ان کافروں کے بارے میں اتنے ساعی ہوئے کہ اپنے رب سے جھگڑنے لگے، ان کا رب فرماتا ہے: ﴿یُجَادِلُنَا فِیْ قَوْمِ لُوْطٍ﴾ ہم سے جھگڑنے لگا قوم لوط کے بارے میں۔

یہ قرآن عظیم نے ان بے دینوں کا رد فرمایا ہے جو محبوبانِ خدا کو بارگاہِ عزت میں کوئی عزت ووجاہت نہیں مانتے، اور کہتے ہیں اس کے حضور کوئی دم نہیں مارسکتا، حالانکہ ان

کا رب عزوجل ان کی وجاہت اپنی بارگاہ میں ظاہر فرمانے کو خود ان لفظوں سے ذکر فرماتا ہے کہ ہم سے جھگڑنے لگا قومِ لوط کے بارے میں، حدیث میں ہے شب معراج حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ایک آواز سنی کہ کوئی شخص اللہ عزوجل کے ساتھ بہت تیزی اور بلند آواز سے گفتگو کر رہا ہے، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دریافت فرمایا کہ یہ کون ہیں؟ عرض کی موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام، فرمایا: کیا اپنے رب پر تیز ہو کر گفتگو کرتے ہیں؟ عرض کی: ان کا رب جانتا ہے کہ ان کے مزاج میں تیزی ہے۔ جب یہ آیہ کریمہ ﴿وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى﴾ نازل ہوئی کہ (بیشک عنقریب تمہیں تمہارا رب اتنا عطا فرمائے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے)

حضور سید المحبوبین صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: ((اذا لا ارضی وواحد من امتی فی النار)) "ایسا ہے تو میں راضی نہ ہوں گا اگر میرا ایک امتی بھی آگ میں ہو"

یہ تو شانیں بہت رفیع ہیں جن پر رفعتِ عزت ووجاہت ختم ہے (صَلَوَاتُ اللّٰہِ وَسَلَامُہٗ عَلَیْہِمْ) مسلمان ماں باپ کا کچا بچہ جو حمل سے گر جاتا ہے اس کے لئے حدیث میں فرمایا کہ روزِ قیامت اللہ عزوجل سے اپنے ماں باپ کی بخشش کے لئے ایسا جھگڑے گا جیسا قرض خواہ کسی قرض دار سے، یہاں تک ذکر فرمایا جائے گا، ((ایھا السقط المراغم ربہ)) "اے کچے بچے اپنے رب سے جھگڑنے والے! اپنے ماں باپ کا ہاتھ پکڑ لے اور جنت میں چلا جا۔

خیر یہ تو جملۂ معترضہ تھا، مگر ایمان والوں کے لئے بہت نَافِع اور شیاطین الانس کی

خباثت کا دَافِع تھا، کہنا یہ ہے کہ قومِ لوط پر عذاب قضائے مبرمِ حقیقی تھا، خلیل اللہ علیہ الصلوۃ والسلام اس میں جھگڑے تو ارشاد ہوا:﴿یَا اِبْرَاهِیْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا﴾﴿اِنَّهُمْ اٰتِیْهِمْ عَذَابٌ غَیْرُ مَرْدُوْدٍ﴾ ''اے ابراہیم اس خیال میں نہ پڑو! بیشک ان پر وہ عذاب آنے والا ہے جو پھرنے کا نہیں''

اور وہ جو ظاہر قضائے معلق ہے، اس تک اکثر اولیاء کی رسائی ہوتی ہے، ان کی دعا سے، ان کی ہمت سے ٹل جاتی ہے، اور وہ جو متوسط حالت میں ہے، جسے صحفِ ملائکہ کے اعتبار سے مبرم بھی کہہ سکتے ہیں، اس تک اکثر خواص اکابر کی رسائی ہوتی ہے، حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالی عنہ اسی کو فرماتے ہیں: میں قضائے مبرم کو رد کر دیتا ہوں، اسی کی نسبت حدیث میں ارشاد ہوا:

((ان الدعا ء یرد القضاء بعد ماابرم)) ''بے شک دعا قضائے مبرم کو ٹال دیتی ہے''۔

''بے شک دعا قضائے مبرم کو ٹال دیتی ہے'':۔

حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے فرمان کہ **''میں قضائے مبرم کو رد کر دیتا ہوں''** پر کلام کرتے ہوئے حضرت مجدد الف ثانی الشیخ احمد سرہندی علیہ رحمۃ اللہ القوی اپنے مکتوب میں فرماتے ہیں:

یعنی: جان لے اللہ ﷻ تجھے ہدایت عطا فرمائے اے پیارے بھائی! **قَضَاء کی دو قسمیں ھیں: (1)** قَضَاءِ مُعَلَّق اور **(2)** قَضَاءِ مُبرَم...... **(1)** قَضَاءِ مُعَلَّق: یہ ہے کہ

اس میں تبدیلی کا احتمال ہوتا ہے، جبکہ (2) قَضَاءِ مُبرَم: وہ ہے کہ جس میں تبدیلی کی گنجائش نہیں، جیسا کہ اِرشادِ باری تعالیٰ ہے: مَایُبَدَّلُ الْقَولُ لَدَیَّ (میرے یہاں بات بدلتی نہیں)۔ یہ قضائے مبرم کی مثال ہے، جبکہ قضائے معلق کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے: یَمْحُوا اللّٰہُ مَایَشَاءُ وَیُثْبِتُ وَعِنْدَہٗ اُمُّ الْکِتَابُ (اللہ جو چاہے مٹاتا اور ثابت کرتا ہے اور اصل لکھا ہوا اُسی کے پاس ہے)

میرے پیر بُزُرگوار قُدِّسَ سِرُّہٗ فرماتے تھے:

کہ حضرت پیر سید محی الدین جیلانی قُدِّسَ سِرُّہُ الرَّبَّانِی نے اپنے بعض رسالوں میں تحریر کیا ہے: کہ ''قضائے مبرم میں کسی کو تبدیلی کرنے کا اختیار نہیں، مگر مجھے اختیار دیا گیا ہے، کہ اگر چاہوں تو اس میں تصرف کروں'' ان کی اس بات سے میرے پیر بُزُرگوار بہت تعجب کرتے تھے، اور اس کو بعید جانتے تھے، اور یہ بات اس فقیر (شیخ احمد فاروقی سرہندی) کے ذہن میں کافی عرصہ تک رہی، یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے مجھے بھی اس دولتِ عُظمیٰ سے مُشرَّف فرمادیا (یعنی شیخ احمد فاروقی سرہندی علیہ رحمۃ کی دعا سے بھی قضائے مبرم میں تبدیلی ہوگئی، مترجم) چنانچہ ایک دن میرے کسی دوست کے ساتھ حاکم وقت کی طرف سے کوئی مسئلہ پیش آگیا، تو میں نے اس کے دفع کے لئے گریہ وزاری کی، اور خوب خشوع وخضوع کیا، تو جانبِ حق تعالیٰ کی طرف سے بطورِ کشف والہام مجھے معلوم ہوا کہ یہ معاملہ لوحِ محفوظ میں معلق نہیں کہ کسی چیز سے باآسانی ٹل جائے، پس مجھے ایک قسم کی مایوسی ہوئی، تو پیر دستگیر سید محی الدین قدس سرہ النورانی کا ارشاد دوبارہ یاد آگیا، تو میں نے دوبارہ حق تعالیٰ کی بارگاہ میں آہ وزاری، اور عجز وانکساری کی، تو مجھے فضل وکرم سے یہ بات معلوم ہوگئی، کہ **قضائے معلق کی دو قسمیں ھیں:**

(۱) ایک قسم قضائے معلق کی وہ ہے کہ اس کی تعلیق لوح محفوظ میں ظاہر کی گئی ہے، اور فرشتگانِ الٰہی کو اس کی اطلاع دی گئی ہے، اور (۲) دوسری قسم قضائے معلق کی وہ ہے

کہ اس کی تعلیق خدائے بزرگ و برتر کے نزدیک ہے اور لوحِ محفوظ میں وہ قضائے مبرم کی صورت رکھتی ہے، (درحقیقت یہ قسم نہ تو مطلق معلق ہے، اور نہ مطلق مبرم بلکہ مشابہ بہ مبرم ہے جو کہ بظاہر لوحِ محفوظ میں مطلق نظر آتی ہے، لیکن حقیقت میں مشروط بشرط ہوتی ہے، اور بسا اوقات یہ خاصانِ خدا کی دعاؤں سے ٹل جاتی ہے) اور یہ بھی قضائے معلق کی طرح تبدیلی کا احتمال رکھتی ہے، پس اس تقریر سے معلوم ہوا کہ حضرت پیر دستگیر علیہ رحمۃ کا ارشاد (میں قضائے مبرم کو رد کر دیتا ہوں، مترجم) اس **قِسمِ اٰخِیرُ** (یعنی مشابہ بہ مبرم) کے بارے میں ہے نہ کہ مبرم حقیقی کے بارے میں، کیونکہ اس (مبرم حقیقی) میں تصرف و تبدیلی عقلی و شرعی لحاظ سے محال ہے، حق بات یہ ہے کہ بہت کم لوگ ہیں کہ جو اس قضاء (مشابہ بہ مبرم) کی خبر رکھتے ہیں، اور کیونکر رکھ سکتے ہیں، جبکہ اس میں تصرف نہیں ہو پاتا، اور میرے دوست کو جو آزمائش پیش آئی تھی، اسی کے سبب سے میں نے اس قسم کو دریافت کیا، حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ نے اس فقیر کی دعا سے اس کی آزمائش کو دور کر دیا۔

(''مکتوب امام ربانی'' فارسی، مکتوب نمبر: **217**، ج **1**، ص **124-123**)

مسئلہ نمبر 1: قضاء وقدر کے مسائل عام عقلوں میں نہیں آسکتے، ان میں زیادہ غور وفکر کرنا سببِ ہلاکت ہے، صدیق وفاروق رضی اللہ تعالی عنہما اس مسئلہ میں بحث کرنے سے منع فرما گئے۔ ''ماوشما'' کس گنتی میں ؟....! اتنا سمجھ لو کہ اللہ تعالی نے آدمی کو مثلِ پتھر اور دیگر جمادات کے بے حِس وحرکت نہیں پیدا کیا بلکہ اس کو ایک نوعِ اختیار دیا ہے، کہ ایک کام چاہے کرے، چاہے نہ کرے، اور اس کے ساتھ ہی عقل بھی دے دی ہے کہ بھلے، برے، نفع، نقصان کو پہچان سکے، اور ہر قسم کے سامان اور اسباب مُہَیّا کردیے ہیں، کہ جب کوئی کام کرنا چاہتا ہے اسی قسم کے سامان مُہَیّا ہوجاتے ہیں، اور اِسی بناء پر اِس پر مُئوَاخَذَہ ہے، اپنے آپ کو بلکل مجبور یا بلکل مختار سمجھنا، دونوں گمراہی ہیں۔

مشکل الفاظ کے معانی:

مَاوشُمَا (یعنی ہم اور تم)......بے حِس وحَرَکَت (یعنی محسوس وحرکت کا نہ ہونا)

نوعِ اِختِیار (ایک طرح کا اختیار)......مُواخَذَہ (پکڑ، گرفت)............

مُختَار (اختیار دیا گیا)............

وضــاحت: تقدیر کے مسائل میں زیادہ غور وفکر انسان کو الجھا کر رکھ دے گا، اور نتیجۃً اس کو بہت سارے معاملات میں شک وتردد ہونے لگے گا، حضرت ابوبکر صدیق اور عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہما بھی تقدیر کے بارے میں بحث کرنے سے منع کیا کرتے تھے، اتنا ذہن میں ہونا چاہئے کہ بعض چیزوں کا اللہ تعالی نے انسان کو اختیار دیا ہے اور بعض چیزوں میں انسان مجبورِ محض ہے۔

(تفصیل پچھلے صفحات میں گذر چکی ہے)

مســئله نمبر 24: برا کام کر کے تقدیر کی طرف نسبت کرنا اور مشیت الٰہی کے حوالہ کرنا بہت بری بات ہے، بلکہ حکم یہ ہے کہ جو اچھا کام کرے اسے مِـنْجَانِب اللّٰہ کہے، اور جو برائی سرزد ہو اس کو شامتِ نفس تصور کرے۔

عقیدہ نمبر 25: اللّٰہ تعالیٰ جِہت و مَکان و زَمان و حَرَکت و سُکون و شَکل و صُورَت جمیع حوادِث سے پاک ہے۔

عقیدہ 24 کا خلاصہ: گناہ کر کے یہ کہنا کہ تقدیر میں لکھا تھا اس لئے کیا ہے بہت بری بات ہے، بلکہ جو نیکی ہو اسے اللّٰہ کی جانب سے کہے، اور جو گناہ سرزد ہو جائے اسے نفس کی شامت تصور کرے۔

عـقیدہ 25 کا خـلاصه: رَبُّ الْعٰلَمِیْن سمت، جگہ، زمانہ، حرکت وسکون، شکل وصورت، اور تمام حوادِث سے پاک ہے۔

مشکل الفاظ کا معنٰی:

"حَوَادِث" حَادِثْ کی جمع ہے (جو پہلے موجود نہ ہو بعد میں معرض وجود میں آیا ہو)

بحرالرائق میں ہے کہ: اللّٰہ تعالیٰ کے لئے جہت (سَمت) ماننا کفر ہے یعنی یہ کہنا اللّٰہ تعالیٰ اوپر ہے وغیر ہا۔ (البحر الرائق ج 5، ص 203) رب تعالیٰ کے لئے سمت ثابت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے لئے جگہ کو ماننا، اور خدا کے لئے مکان (یعنی جگہ) ثابت کرنا (یعنی ماننا یا کہنا) کفر ہے (ایضا) جیسا کہ موجودہ دور میں عموماً کئی حضرات اس طرح کے جملے استعمال کرتے دکھائی دیتے ہیں، "اوپر والا سب کی سنتا ہے" "اوپر والے کی مہربانی ہے جی۔۔۔!!" "اللّٰہ تعالیٰ اوپر رہتا ہے" "اس کا آسمان پر مکان ہے" اس طرح کے تمام الفاظ اللّٰہ تعالیٰ کے لئے استعمال کرنے کو علماء نے کفر لزومی قرار دیا ہے، اس طرح کا عقیدہ رکھنے والا اگرچہ علمائے مَتَکَلِّمِیْن رَحِمَهُمُ اللّٰه کے نزدیک

اسلام سے خارج نہیں ہوتا تاہم فُقَہَائے کِرَامُ رَحِمَهُمُ اللّٰه السَّلام کے نزدیک اس پر حکمِ کفر ہے، لہذا اس پر لازم ہے کہ توبہ، تجدیدِ ایمان وتجدیدِ نکاح کرلے۔

اللہ رحمٰن عزوجل کے مکان سے پاک ہونے پر عقلی دلیل:۔

اللہ عزوجل قدیم ہے یعنی ہمیشہ ہمیشہ سے ہے، وہ تب سے ہے، کہ جب **اب، تب، کب، یہاں، وہاں، اوپر، نیچے، دائیں، بائیں**، وغیرہ کچھ بھی نہ تھا، اللہ عزوجل اور اس کی صفات کے علاوہ ہر چیز حادث ہے، حادث قدیم کی ضد ہے، حادث یعنی وہ کہ جو عدم سے وجود میں آئے، اس کو اور آسان لفظوں میں یوں سمجھئے کہ جو پہلے سے نہ تھا مگر بعد میں موجود ہو۔ **اَلْحَمْدُ لِلّٰه** عزوجل ہر مسلمان اَللّٰہُ کریم عزوجل اور اس کی صفات کو قدیم ہی مانتا ہے، اور اس کے علاوہ ہر چیز بعد میں بنائی گئی اس کو بھی تسلیم کرتا ہے، تو بس اتنی سی بات سمجھنے کی ضرورت ہے، کہ بعد میں بنائی جانے والی چیزوں میں یقیناً زمین و آسمان، عرش وکرسی، اوپر نیچے، دائیں بائیں، وغیرہ بھی شامل ہیں۔

اب اگر یہ کہا جائے کہ اللہ عزوجل اوپر ہے، یا آسمان پر ہے، یا عرش پر ہے، یا ہر جگہ ہے، تو پھر آسمان، عرش، بلکہ ہر جگہ کو قدیم ماننا لازم آئے گا، یا پھر یہ ذہن بنانا پڑے گا، کہ پہلے اللہ عزوجل جگہ و مکان سے پاک تھا، بعد میں جوں جوں وہ عزوجل چیزیں بناتا گیا، اُن میں ''رہتا'' چلا گیا، جب ''اوپر'' وجود میں آیا تو اوپر آ گیا، جب ''نیچے'' کی تخلیق ہوئی، تو نیچے اتر آیا، ''عرش'' بنایا تو عرش پر پہنچ گیا، اور جب ''جگہیں'' پیدا کیں تو ہر جگہ تشریف لا کر رہنے لگا۔ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰهِ...... خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ، سمت وجگہ اور تمام حوادثات سے پاک ہے۔

عقیدہ نمبر 26: دنیا کی زندگی میں اللہ عزوجل کا دیدار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خاص ہے، اور آخرت میں ہر سنی مسلمان کے لئے ممکن بلکہ واقع۔ رہا قلبی دیدار یا خواب میں، یہ دیگر انبیاء علیہم السلام بلکہ اولیاء کے لئے بھی حاصل ہے، ہمارے امامِ اَعظم رضی اللہ تعالی عنہ کو خواب میں سو (100) بار زیارت ہوئی۔

خلاصہ: دنیاوی زندگی میں حالتِ بیداری میں دیدارِ الٰہی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خصوصیت میں سے ہے، اور قیامت کے دن ہر مومن کو رب تعالی کا دیدار عطا کیا جائے گا۔

دنیا کی زندگی میں اللہ عزوجل کا دیدار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خاص ہے:۔

ہر نبی کو اللہ تبارک وتعالی نے مختلف معجزات، کمالات، بلند درجات، سے نوازا، اور جو معجزات، درجات، کمالات، دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کو دئے گئے وہ سب کے سب جناب رحمۃ للعلمین صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ذات میں جمع کر دئے گئے، بلکہ ان سب سے زائد عطا کر دئے گئے، بلکہ جسے جو کچھ ملا حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے صدقے میں ملا، یہ یاد رہے! ہمارے آقا ومولیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو اللہ تعالی نے کثیر معجزات سے نوازا ان میں سے عظیم ترین معجزہ حالتِ بیداری میں دیدارِ الٰہی بھی ہے، اللہ سبحانہ وتعالی نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو رات کے قلیل حصہ میں مسجد حرام سے مسجد اقصی، مسجد اقصی سے ساتوں آسمانوں کی سیر کروائی، پھر ساتوں آسمانوں سے اوپر سدرۃ المُنتَھیٰ تک لیجایا گیا، اس کے بعد وہاں رسائی ہوئی، جس کے بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا، یہاں، وہاں، اوپر، نیچے، دائیں، بائیں، اور حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے رب العلمین جل جلالہ کا اپنی سر کی آنکھوں سے دیدار کیا، اس پورے واقعہ کو واقعۂ معراج کہا جاتا ہے۔

لفظِ معراج: عُرُوج سے مُشْتَقْ ہے (یعنی لفظِ عروج سے بنا ہے) جس کا معنیٰ چڑھنے اور بلند ہونے کے ہیں، اسی لئے معراج زینہ (سیڑھی) کو بھی کہتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم چونکہ اس شب میں ملاءِ اعلیٰ تک عروج فرما کر، ساتوں آسمانوں، سدرۃ المنتہیٰ اوراس سے بھی بلند ہوکر، آیاتِ الٰہیہ کا مشاہدہ کر کے آئے، اوران واقعات کے ذکرمیں زبانِ وَحیِ ترجمان نے ''عُـــرِجَ بِـــیْ'' کا جملہ استعمال فرمایا: اسی لئے اس باجبروت اور پُرعَظَمَت واقعے کومعراج سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

قرآن کریم میں اس عظیم ترین معجزہ معراج کوجس مخصوص اسلوب سے بیان کیا گیا ہے اس میں غور کرنے کے بعد عقل سلیم کولازماً ماننا پڑتا ہے کہ یہ واقعہ جس طرح آیاتِ قرآنیہ اوراحادیثِ صحیحہ میں مذکور ہے وہ سچ ہے اس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمانِ عالی ہے:

سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلاً مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَی الَّذِیْ بَارَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیَاتِنَا.

تَرجَمَه : پاکی ہے اسے جواپنے بندے کوراتوں رات لے گیا مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک، جس کے گرداگرد ہم نے برکت رکھی، کہ ہم اسے اپنی عظیم نشانیاں دکھائیں۔

(سورۃبنی اسرائیل پ15آیت1)

رب تعالیٰ کا حالت بیداری میں دیدار سیدِ دوعالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خصوصیت میں سے ہے اس لئے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے علاوہ کسی بھی ذات کوحالتِ بیداری میں رب تعالیٰ کا دیدار نہیں ہوا، یہاں تک کہ ایک بار موسیٰ علیہ السلام نے رب تعالیٰ کی بارگاہ میں دیدار کی خواہش پیش کی، مگر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا: لَنْ تَرَانِیْ (اے موسیٰ (علیہ السلام) آپ مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے) **اَللہ اَللہ !** جانِ کائنات صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی شان وشوکت کی کیا بات ہے، اعلیٰحضرت عظیم البرکت حضرت علامہ مولانا الشاہ امام احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ رحمۃ اللہ القوی

جھوما ٹھے، اور فرمایا:

یہی سماں تھا کہ پیکِ رَحمت، خبر یہ لایا کہ چلئے حضرت
تمہاری خاطر کُشادَہ ہیں جو، کلیم پر بند راستے تھے

جمہور علماءِ ملّت کا صحیح مذہب یہی ہے، کہ معراج بحالتِ بیداری جسم وروح کے ساتھ صرف ایک بار ہوئی، جمہور صحابہ وتابعین اور فقہاء ومحدثین نیز صوفیاء کرام کا یہی مذہب ہے چنانچہ علامہ ملاّ اَحمد جیون علیہ رحمۃ (استاد اَورَنگ زیب عالمگیر بادشاہ) نے تحریر فرمایا کہ:

اور سب سے زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ معراج بحالتِ بیداری جسم وروح کے ساتھ ہوئی، یہی اہل وجماعت کا مذہب ہے، لہذا جو شخص یہ کہے کہ معراج فقط روحانی ہوئی یا معراج فقط خواب میں ہوئی وہ شخص بدعتی وگمراہ کن وفاسق ہے۔(التفسیرات الاحمدیہ،سورۃ بنی اسرائیل، ص۵۰۵)

عبداللہ بن الحارث نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت کعب رضی اللہ تعالی عنہما ایک مجلس میں جمع ہوئے، تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: کہ کوئی کچھ بھی کہتا رہے، لیکن ہم بنی ہاشم کے لوگ یہی کہتے ہیں کہ بلاشبہ حضرت محمد ﷺ نے یقیناً اپنے رب کو معراج میں دو مرتبہ دیکھا، یہ سن کر حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے اس زور سے نعرہ مارا کہ پہاڑیاں گونج اٹھیں، اور فرمایا کہ بے شک حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خدا سے کلام کیا اور حضرت محمد ﷺ نے خدا کو دیکھا۔(سیرتِ مصطفی، ص ۷۳۰)

نقاش نے امام احمد بن حنبل کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: کہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے مذہب کا قائل ہوں کہ حضور ﷺ نے خدا کو دیکھا، دیکھا، دیکھا، اتنی دیر تک وہ ''دیکھا'' کہتے رہے کہ ان کی سانس ٹوٹ گئی۔

(الشفاء بتعریف حقوق المصطفی، فصل واماارویتہ لربہ، ج ا ص ۱۹۶)

حدیث طبرانی میں ہے:

حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنے رب کو دو مرتبہ دیکھا، ایک مرتبہ آنکھ سے اور ایک مرتبہ دل سے۔(المعجم الکبیر: **71:12** رقم **12564**)

حضرت امام حسن بصری رضی اللہ عنہ جو حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت حسان رضی اللہ عنہم جیسے برگزیدہ اصحاب رسول کی صحبت سے فیض یافتہ نامور تابعی ہیں، ان سے ایک بار حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے بارے میں سوال کیا گیا کہ آیا انہوں نے معراج کی شب ذاتِ باری تعالی کا دیدار کیا ہے؟ تو انہوں نے تین بار قسم کھا کر اس بات کا اقرار کیا کہ ہاں انہوں نے رب عزوجل کو دیکھا ہے۔

اور آخرت میں ہر سنی مسلمان کے لئے ممکن بلکہ واقع۔ رہا قلبی دیدار یا خواب میں ، یہ دیگر انبیاء علیہم السلام بلکہ اولیاء کے لئے بھی حاصل ہے ، ہمارے امامِ اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کو خواب میں سو (**100**) بار زیارت ہوئی۔

بروز قیامت ہر صاحب ایمان مرد و عورت کو اللہ تعالی کا دیدار عطا کیا جائے کیونکہ دیدارِ الٰہی فی نفسہ ممکن ہے، اس کے محال ہونے پر کوئی دلیل نہیں، لہذا جن آیات اور احادیث میں اس کی صراحت ہے اس کے ظاہری معنیٰ ہی لئے جائیں گے، فرمانِ باری تعالی ہے:

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ☆ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ (پ **29**، القیامۃ آیت: **22،23**)

ترجمہ: کچھ منہ اس دن تر و تازہ ہونگے ، اپنے رب کو دیکھتے۔

ان دو آیتوں کی تفسیر میں خلیفہ اعلحضرت علامہ مولانا نعیم الدین مراد آبادی علیہ رحمۃ اللہ الھادی لکھتے ہیں:

یعنی روزِ قیامت، اللہ تعالی کی نعمت وکرم مسرور چہروں سے انوار تاباں، یہ مومنین کا حال ہے، انہیں دیدارِ الٰہی کی نعمت سے سرفراز کیا جائے گا۔ مسئلہ اس آیت سے ثابت ہوا کہ آخرت

میں مومنین کو دیدارِ الٰہی میسر آئے گا یہی اہل سنت کا عقیدہ ہے، قرآن وحدیث واجماع کے دلائلِ کثیرہ اس پر قائم ہیں اور یہ دیدار بے کیف (یعنی اس کی کیفیت بیان نہیں کی جاسکتی) اور بے جہت (یعنی کسی سمت میں نہیں) ہوگا۔(خزائن العرفان ص ۱۰۴۱)

صحیحین میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ عَيَانا
(یعنی قریب ہے کہ تم دیکھو گے اپنے رب کو واضح طور پر (ان آنکھوں سے)

(صحیح بخاری 6/2703 حدیث 6998)

عـقیدہ نمبر 27: اس کا دیدار بلا کیف ہے، یعنی دیکھیں گے اور یہ نہیں کہہ سکتے کہ کیسے دیکھیں گے، جس چیز کو دیکھتے ہیں اس سے کچھ فاصلہ مسافت کا ہوتا ہے، نزدیک یا دور، وہ دیکھنے والے سے کسی جہت میں ہوتی ہے، اوپر یا نیچے، دہنے یا بائیں، آگے یا پیچھے، اس کا دیکھنا ان سب باتوں سے پاک ہوگا۔ پھر رہا یہ کہ کیونکہ ہوگا؟ یہی تو کہا جاتا ہے کہ کیونکر کو یہاں دخل نہیں، ان شاء اللہ جب دیکھیں گے اس وقت بتا دیں گے، اس کی سب باتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ جہاں تک عقل پہنچتی ہے وہ خدا نہیں، اور جو خدا ہے، اس تک عقل رسا نہیں، اور وقتِ دیدار نگاہ اس کا احاطہ کرے، یہ محال ہے۔

مشکل اَلفاظ کے معانی:

بِلا کَیف (جس کی کوئی کیفیت بیان نہیں کی جا سکے)......رَسا (پہنچ)

احاطہ (گھیرنا)......محال (ناممکن ہونا)

عـقیدہ نمبر 28: وہ جو چاہے اور جیسا چاہے کرے، کسی کو اس پر قابو نہیں، اور نہ کوئی اس کے ارادے سے اسے باز رکھنے والا، اس کو نہ اونگھ آئے نہ نیند، تمام جہان کا نگاہ رکھنے والا، نہ تھکے نہ اکتائے، تمام عالم کا پالنے والا، ماں باپ سے زیادہ مہربان، حلم والا، اسی کی رحمت ٹوٹے ہوئے دلوں کا سہارا، اسی کے لئے بڑائی اور عظمت ہے، ماؤں کے پیٹ میں جیسے چاہے صورت بنانے والا، گناہوں کو بخشنے والا، توبہ قبول کرنے والا، قہر وغضب فرمانے والا، اس کی پکڑ نہایت سخت ہے، جس سے بے اس کے چھڑائے کوئی چھوٹ نہیں سکتا۔ وہ چاہے تو چھوٹی چیز کو وسیع کر دے اور وسیع کو سمیٹ دے، جس کو چاہے

بلند کردے اور جس کو چاہے پست، ذلیل کو عزت دیدے، اورعزت والے کو ذلیل کردے، جس کو چاہے راہ راست پر لائے، اور جس کو چاہے سیدھی راہ سے الگ کردے، جسے چاہے اپنا نزدیک بنالے اور جسے چاہے مردود کرے، جسے جو چاہے دے اور جو چاہے چھین لے، وہ جو کچھ کرتا ہے یا کرے گا عدل وانصاف ہے، ظلم سے پاک وصاف ہے، نہایت بلند وبالا ہے، وہ سب کو محیط ہے، اس کا کوئی احاطہ نہیں کرسکتا، نفع وضرر اسی کے ہاتھ میں ہے، مظلوم کی فریاد کو پہنچتا، اور ظالم سے بدلہ لیتا ہے، اس کی مشیت اور ارادہ کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا، مگر اچھے پر خوش ہوتا ہے، اور برے سے ناراض، اس کی رحمت ہے کہ ایسے کام کا حکم نہیں فرماتا جو طاقت سے باہر ہے، اللہ عزوجل پر ثواب یا عذاب یا بندے کے ساتھ لطف یا اس کے ساتھ وہ کرنا جو اس کے حق میں بہتر ہو اس پر کچھ واجب نہیں۔ مالک علی الاطلاق ہے، جو چاہے کرے اور جو چاہے حکم دے، ہاں! اس نے اپنے کرم سے وعدہ فرمالیا ہے کہ مسلمانوں کو جنت میں داخل فرمائے گا، اور بمقتضائے عدل کفار کو جہنم میں، اور اس کے وعدہ وعید بدلتے نہیں، اس نے وعدہ فرمالیا ہے، کہ کفر کے سوا ہر چھوٹے بڑے گناہ کو جسے چاہے معاف فرمادے گا۔

مشکل الفاظ:......بمقتضائے عدل (عدل کے تقاضے کے مطابق)
مظلوم (جس پر ظلم کیا گیا)

وہ جو چاہے اور جیسا چاہے کرے، کسی کو اس پر قابو نہیں، اور نہ کوئی اس کے ارادے سے اسے باز رکھنے والا:۔

☆فرمانِ الٰہی ہے: اِنَّ رَبَّکَ فَعَّالٌ لِمَایُرِیْد۔

بے شک تمہارا رب جو چاہے کرے (پ،12ھود،107)

☆فَعَّالٌ لِمَایُرِیْد.. ہمیشہ جو چاہے کر لینے والا۔(پ،30البروج،16)

یہ شمس وقمر، بحروبر، خشک وتر، شجروحجر، گل وثمر، کا خالق، زمین وآسمان کا خالق، ذرہ ذرہ کا خالق اللہ تعالی ہی ہے، اسی نے ہر شے کو پیدا کیا پھر وہ جو چاہے کرے اور جیسا چاہے کرے کسی کو اس پر قابو کیونکر ہوسکتا ہے اور کوئی اس کو اس کے ارادے سے کیسے روک سکتا ہے۔

اس کو نہ اونگھ آئے نہ نیند:۔

لَاتَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوْم (اس کو نہ اونگھ آئے نہ نیند)(پ،3البقرۃ،255)

تمام جہان کا نگاہ رکھنے والا، نہ تھکے نہ اکتائے، تمام عالم کا پالنے والا:۔

وَلِلّٰہِ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَمَافِی الْاَرْضِ،وَکَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطاً

ترجمہ: اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں اور ہر چیز پر اللہ کا قابو ہے۔(پ،5النساء،126)

وَمَامَسَّنَامِنْ لُّغُوْبُ(پ،26ق،38)......اور تکان ہمارے پاس نہ آئی۔

آیت کا شان نزول: مفسرین نے کہا کہ یہ آیت یہود کے رد میں نازل ہوئی جو یہ کہتے تھے کہ اللہ تعالی نے آسمان وزمین اور ان کے درمیان کائنات کو چھ روز میں بنایا جن میں سے

پہلا یک شنبہ ہے اور پچھلا جمعہ پھر وہ معاذ اللہ تھک گیا اور سنیچر کو اس نے عرش پر لیٹ کر آرام کیا اس آیت میں ان کا رد ہے کہ اللہ تعالی اس سے پاک ہے کہ تھے وہ قادر ہے کہ ایک آن میں سارا عالم بنادے، ہر چیز کو حسب اقتضائے حکمت ہستی عطا فرماتا ہے، شانِ الٰہی میں یہود کا یہ کلمہ سید عالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو بہت ناگوار ہوا اور شدتِ غضب سے چہرہ مبارک پر سرخی نمودار ہوگئی تو اللہ تعالی نے آپ کی تسکین فرمائی۔(خزائن العرفان: تحت الآیۃ، ومامسنامن لغوب: ص936:پاک کمپنی رجسڑڈ)

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (پ،1الفاتحہ،1)

سب خوبیاں اللہ کو جو مالک سارے جہان والوں کا۔

ماں باپ سے زیادہ مہربان، حلم والا، اسی کی رحمت ٹوٹے ہوئے دلوں کا سہارا:۔

اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ......(پ،1الفاتحہ2)......تَرجَمہ: بہت مہربان رحمت والا۔

اِنَّهٗ كَانَ حَلِیْماً غَفُوْرًا(پ22،الفاطر،41)

ترجمہ: بے شک وہ حلم والا بخشنے والا ہے۔

اَللہ تَعَالٰی کا ماں سے زیادہ مهربان هونا

ایک غزوہ میں سخت گرمی والے دن میں ایک بچے کی بولی لگائی جارہی تھی، ایک عورت نے اس بچے کو دیکھا تو بیتابانہ اس کی طرف بڑھی، اسے پکڑ کر اپنے سینے سے لگالیا، پھر زمین پر لیٹ گئی اور اس بچے کو اپنے پیٹ پر بٹھالیا، تاکہ زمین کی تپش سے محفوظ رہے، اور کہنے لگی: میرا بیٹا! میرا چاند! یہ منظر دیکھ کر صحابہ کرام پر گریہ طاری ہوگیا، اور وقتی طور پر اپنی مصروفیات کو بھول گئے، اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم تشریف لائے، اور ان کے پاس کھڑے ہوگئے، صحابہ کرام نے یہ واقعہ آپ کی

خدمت میں عرض کیا: تو آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: اس عورت کو اپنے بیٹے پر شفقت ومحبت سے تمہیں تعجب ہے، یہ عورت جس قدر اپنے بیٹے پر مہربان ہے، اس سے کہیں زیادہ اللہ تعالی تم سب پر مہربان ہے، صحابہ کرام عظیم ترین فرحت (یعنی خوشی) اور بشارت (خوشخبری) لے کر اپنے ٹھکانوں کی طرف چلے گئے۔ (الصحیح البخاری: 5999، تفسیر کبیر، تحت الآیۃ: الرحمن الرحیم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تعالی کی سو رحمتیں ہیں، جن میں سے اس نے ایک رحمت جنوں، انسانوں، پرندوں، چوپایوں، اور کیڑوں مکوڑوں میں نازل فرمائی، جس کی بدولت وہ ایک دوسرے سے محبت اور شفقت سے پیش آتے ہیں، اور ننا وے رحمتیں موخر فرمائیں جن کے ذریعے وہ قیامت کے دن اپنے بندوں پر رحم فرمائے گا۔

تفسیر کبیر میں امام فخرالدین رازی علیہ رحمۃ اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے یہ گفتگو سمجھانے کے لئے فرمائی ہے، ورنہ اللہ تعالی کی رحمت کے سمندر غیر متناہی ہیں، کسی معین حد کے ساتھ ان کی حد بندی کیسے کی جا سکتی ہے؟

(تفسیر کبیر، پارہ اول، تحت الآیۃ: الرحمن الرحیم)

اسی کے لئے بڑائی اور عَظَمَت ہے، ماؤں کے پیٹ میں جیسے چاہے صورت بنانے والا، گناہوں کو بخشنے والا، توبہ قبول کرنے والا، قہر وغضب فرمانے والا، اس کی پکڑ نہایت سخت ہے، جس سے بے اس کے چھڑائے کوئی چھوٹ نہیں سکتا:۔

وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ. ...... اور وہی ہے بلند بڑائی والا، عظمت والا۔ (پ3، البقرۃ، 255)

وَهُوَ الَّذِیْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ. ......(پ3، الِ عمران، 6)

وہی ہے کہ تمہاری تصویر بناتا ہے، ماؤں کے پیٹ میں جیسے چاہے۔

غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدُالْعِقَابِ،...... گناہ بخشنے والا، اور توبہ قبول کرنے والا، سخت عذاب کرنے والا۔ (پ24، المومن، 3)

اِنَّ اَخْذَهٗ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ. بے شک اس کی پکڑ دردناک کری ہے۔ (پ12، ھود، 102)

اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ. بے شک تیرے رب کی گرفت بہت سخت ہے۔
(پ30، البروج، 12)

وہ چاہے تو چھوٹی چیز کو وسیع کردے اور وسیع کو سمیٹ دے، جس کو چاہے بلند کردے اور جس کو چاہے پست، ذلیل کو عزت دیدے، اور عزت والے کو ذلیل کردے، جس کو چاہے راہ راست پر لائے، اور جس کو چاہے سیدھی راہ سے الگ کردے، جسے چاہے اپنا نزدیک بنالے اور جسے چاہے مردود کرے، جسے جو چاہے دے اور جو چاہے چھین لے، وہ جو کچھ کرتا ہے یا کرے گا عدل وانصاف ہے، ظلم سے پاک وصاف ہے، نہایت بلند و بالا ہے، وہ سب کو محیط ہے، اس کا کوئی احاطہ نہیں کرسکتا، نفع وضرر اسی کے ہاتھ میں ہے:۔

اللہ سبحانہ وتعالی قادرِ مطلق ہے، اس کے لئے چھوٹی چیز کو وسیع کرنا، اور وسیع کو سمیٹ دینا کوئی مشکل نہیں، فرمانِ الٰہی ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾

ترجمہ: (بیشک اللہ تعالی ہر ''شے'' پر قادر ہے)

وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وُتُذِلُّ مَنْ تَشَاء......

اور جسے چاہے عزت دے، اور جسے چاہے ذلت دے۔ (پ3، الِ عمران، 26)

فَاِنَّ اللّٰہَ یُضِلُّ مَنْ یَّشَاءُ وَیَھْدِیْ مَنْ یَّشَاء. اس لئے اللہ گمراہ کرتا ہے جسے چاہے، اور راہ دیتا ہے جسے چاہے۔ (پ22، الفاطر، 8)

وَمَنْ یُّضْلِلُ اللّٰہ فَمَالَہٗ مِنْ ھَادٍ☆وَمَنْ یَّھْدِاللّٰہُ فَمَالَہٗ مِنْ مُّضِلّ......

اور جسے اللہ گمراہ کرے اس کی کوئی ہدایت کرنے والا نہیں، اور جسے اللہ ہدایت دے، اسے کوئی بہکانے والا نہیں۔ (پ24، الزمر، 37-36)

قُلِ اللّٰھُمَّ مَالِکَ الْمُلْکِ تُؤتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَاء وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَاء.

یوں عرض کر، اے اللہ! ملک کے مالک، تو جسے چاہے سلطنت دے، اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے۔ (پ3، الِ عمران، 26)

اِنَّ اللّٰہَ لَایَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ...... اللہ ایک ذرہ بھر ظلم نہیں فرماتا (پ5، النساء، 40)

اِنَّ اللّٰہَ لَایَظْلِمُ النَّاسَ شَیْئاوَّلٰکِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَھُمْ یَظْلِمُوْنَ.

بیشک اللہ لوگوں پر کچھ ظلم نہیں کرتا، ہاں لوگ ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔

(پ11، یونس، 44)

مَایُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ وَمَااَنَابِظَلَّامٍ لِلْعَبِیْد۔...... میرے یہاں بات بدلتی نہیں، اور نہ میں بندوں پر ظلم کروں۔ (پ26، ق، 29)

وَھُوَالْعَلِیُّ الْکَبِیْر...... وہی ہے بلند بڑائی والا۔ (پ22، سبا، 23)

اَلَااِنَّہٗ بِکُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْط. سنو وہ ہر چیز کو محیط ہے۔ (پ25، حم السجدۃ، 54)

لَاتُدْرِکُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَیُدْرِکُ الْاَبْصَارُ۔

آنکھیں اسے احاطہ نہیں کرتیں، اور سب آنکھیں اس کے احاطہ میں ہیں۔

(پ7، الانعام، 103)

مظلوم کی فریاد کو پہنچتا ہے اور ظالم سے بدلا لیتا ہے:۔

وَاِنْ یَّمْسَسْکَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا کَاشِفَ لَهٗ اِلَّا هُوَ، وَاِنْ یُّرِدْکَ بِخَیْرٍ فَلَا رَادَّ لِفَضْلِهٖ.

اور اگر اللہ تجھے کوئی تکلیف پہنچائے، تو اس کا کوئی ٹالنے والا نہیں اس کے سوا، اور اگر تیرا بھلا چاہے تو اس کے فضل کا رد کرنے والا کوئی نہیں۔ (پ11، یونس، 107)

وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ ذُوانْتِقَام...... اور اللہ غالب ہے بدلہ لینے والا۔ (پ7، المائدۃ، 95)

اللہ تعالی اپنے بندوں کی کس طرح حفاظت فرماتا ہے ایک حکایت پیشِ خدمت ہے، چنانچہ شیخ ذوالنون مصری علیہ رحمۃ کہتے ہیں:

میں گھر میں تھا تو میرے دل میں ایک ولولہ پیدا ہوا اور ایسی کیفیت بنی کہ میں اپنی ذات کا مالک نہ رہا، میں گھر سے دریائے نیل کے کنارے جا پہنچا، میں نے ایک طاقتور بچھو دیکھا، میں اس کے پیچھے پیچھے چل دیا، وہ دریائے نیل کے کنارے پہنچا تو میں نے وہاں ایک مینڈک دیکھا، جو بستی کے اس نالے کی ایک جانب انتظار میں کھڑا تھا، بچھو مینڈک کی پشت پر چڑھ گیا، مینڈک پانی میں تیرتے ہوئے چلا، میں کشتی میں سوار ہو کر ان کے پیچھے پیچھے روانہ ہوا، جب مینڈک دریائے نیل کے دوسرے کنارے جا پہنچا، بچھو اس کی پشت سے اترا اور چل پڑا، میں بھی اس کے پیچھے ہو گیا، ایک نوجوان درخت کے نیچے سویا ہوا تھا، پھر میں نے ایک سانپ بھی دیکھا جو اس (نوجوان) کی طرف آ رہا تھا، جب سانپ اس (نوجوان) کے قریب آیا تو وہ بچھو اس سانپ پر جھپٹ پڑا اور سانپ نے بھی بچھو کو ڈسنا

شروع کردیا اس طرح وہ دونوں لڑتے لڑتے مرگئے اور وہ نوجوان دونوں سے محفوظ ہوگیا۔

(تفسیر کبیر، تحت الآیہ الرحمن الرحیم ج 1)

اس کی مشیت اور ارادہ کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا، مگر اچھے پر خوش ہوتا ہے، اور برے سے ناراض، اس کی رحمت ہے کہ ایسے کام کا حکم نہیں فرماتا جو طاقت سے باہر ہے، اللہ عزوجل پر ثواب یا عذاب یا بندے کے ساتھ لطف یا اس کے ساتھ وہ کرنا جو اس کے حق میں بہتر ہو اس پر کچھ واجب نہیں۔ مالک علی الاطلاق ہے، جو چاہے کرے اور جو چاہے حکم دے، ہاں ! اس نے اپنے کرم سے وعدہ فرمالیا ہے کہ مسلمانوں کو جنت میں داخل فرمائے گا، اور بمقتضائے عدل کفار کو جہنم میں، اور اس کے وعدہ وعید بدلتے نہیں، اس نے وعدہ فرمالیا ہے، کہ کفر کے سوا ہر چھوٹے بڑے گناہ کو جسے چاہے معاف فرمادے گا:۔

فرمانِ الٰہی ہے: اِنَّ رَبَّکَ فَعَّالٌ لِمَا یُرِیْد۔

(بے شک تمہارا رب جو چاہے کرے) (پ 12، ہود، 107)

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا......

اللہ تعالیٰ کسی جان پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اس کی طاقت بھر۔ (پ 3، البقرۃ، 286)

وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ۔۔

اور اللہ نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے اعمال کو (الصافات، 96)

کُلِ اللّٰہُ خَالِقُ کُلِ شَیْءٍ...... تم فرماؤ اللہ ہر چیز کا بنانے والا ہے (الرعد، 16)

اِنَّا کُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنَاہُ بِقَدَرٍ۔ بے شک ہم نے ہر چیز ایک اندازے سے پیدا فرمائی (القمر، 49)

وَمَنْ یُّھِنَ اللّٰہُ فَمَالَہٗ مِنْ مُّکْرِمٍ اِنَّ اللّٰہَ یَفْعَلُ مَایَشَاءُ (الحج، 18)

اور جسے اللہ ذلیل کرے، اسے کوئی عزت دینے والا نہیں، بے شک اللہ جو چاہے کرے۔

وَمَنْ یُّرِدْ اَنْ یُّضِلَّہٗ یَجْعَلْ صَدْرَہٗ ضَیِّقًا حَرَجًا. (الانعام 125)

اور جسے گمراہ کرنا چاہے، اس کا سینہ تنگ، خوب رکا ہوا کر دیتا ہے۔

لَاتَبْدِیْلَ لِکَلِمَاتِ اللّٰہِ...... اللہ کی باتیں بدل نہیں سکتیں۔ (پ 11، یونس، 64)

مَایُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ...... میرے یہاں بات بدلتی نہیں (پ 26، ق، 29)

تفسیر روح البیان میں مذکورہ آیت کی تفسیر کے تحت لکھا ہے:

یعنی: وعدہ وعید کے بارے میں میرا قول تبدیل نہیں ہوتا۔ (ج 9 ص 125)

اِنَّ اللّٰہَ لَایَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَاءُ (پ 5، النساء 48)

بے شک اللہ اسے نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے، اور شرک سے نیچے جو کچھ ہے جسے چاہے معاف فرما دیتا ہے۔

☆☆☆☆☆

عقیدہ نمبر 29: اس کے ہر فعل میں کثیر حکمتیں ہیں: خواہ ہم کو معلوم ہوں یا نہ ہوں، اور اس کے فعل کے لئے غرض نہیں: کہ غرض اس فائدہ کو کہتے ہیں جو فاعل کی طرف رجوع کرے، نہ اس کے فعل کے لئے غایت، کہ غایت کا حاصل بھی وہی غرض ہے، اور نہ

اس کے افعال علت وسبب کے محتاج، اس نے اپنی حکمتِ بالغہ کے مطابق عالم اسباب میں مسببات کو اسباب سے ربط فرمادیا ہے۔

وَضَاحَت: اس کے افعال مبارکہ میں کئی حکمتیں مُضْمَرْ (یعنی پوشیدہ) ہوتی ہیں، لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ ہم پر ظاہر بھی ہو جائیں، رب تعالی کے افعال کے لئے کوئی غرض نہیں ہے، کیونکہ غرض کسی کام سے ملنے والے فائدہ کی طرف ابھارتی ہے، اور انسان کو فعل کے ارتکاب میں مجبور ومحتاج کردیتی ہے، اور رب تعالی کے افعال مبارکہ سبب وعلت کے محتاج نہیں ہوتے، رب العلمین نے اپنی حکمت کاملہ کے مطابق اسباب کا مسببات کے ساتھ بہترین ربط ملادیا ہے۔

مشکل الفاظ کے معانی:

فعل (کرنا)......فاعل (کرنے والا)......غرض (خواہش)..................

غایت یہاں بمعنی (علت، سبب)......حکمتِ بالغہ (حکمتِ کاملہ)......

مسببات (جس پر سبب طاری ہوا)

اس کے فعل میں کثیر حکمتیں ہیں: خواہ ہم کو معلوم ہوں یا نہ ہوں:

وَعَسٰی اَنْ تَکْرَھُوْا شَیْئًا وَّھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ☆

وَعَسٰی اَنْ تُحِبُّوْا شَیْئًا وَّھُوَ شَرٌّ لَّکُمْ☆وَاللّٰہُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ☆

(پ2، البقرۃ، الآیۃ216)

تَرجَمہ: اور قریب ہے کہ کوئی بات تمہیں بری لگے، اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو، اور قریب ہے کہ کوئی بات تمہیں پسند آئے اور وہ تمہارے حق میں بری ہو، اور اللہ (عزوجل) جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

بہت ساری چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو بظاہر ہمیں صحیح معلوم ہو رہی ہوتی ہیں لیکن حقیقۃً وہ ہمارے حق میں بہتر نہیں ہوتیں اور رب تعالی اس سے ہمیں بچالیتا ہے، لیکن ہم یہ سمجھتے ہیں کاش اللہ تعالی ایسا کر دیتا تو صحیح ہوتا، مثال کے طور پر: بسا اوقات انسان بیرون ملک پیسا کمانے کے لئے جانا چاہتا ہے لیکن جانا اس کے حق میں بہتر نہیں ہوتا اللہ تبارک وتعالی اسے وہاں جا کر نقصان اٹھانے سے بچالیتا ہے اسطرح کہ وہ خوب کوشش کرتا ہے لیکن اس کا ویزا نہیں لگتا یا پھر کسی اور وجہ سے نہیں جا پاتا معلوم یہ ہوا کہ رب العلمین کے افعال میں کثیر حکمتیں ہوتی ہیں چاہے ہمیں ان حکمتوں کے راز معلوم ہوں یا نہ ہوں ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ایسا ہو جاتا تو اچھا تھا ویسا ہو جاتا تو اچھا تھا لیکن رب تعالی جانتا ہے کہ ہمارے لئے کیا صحیح ہے۔

اس کے فعل کے لئے غرض نہیں، کہ غرض اس فائدہ کو کہتے ہیں جو فاعل کی طرف رجوع کرے:۔

مشکل لفظ:......رُجُوع کرنا: (یعنی، مخاطب ہونا، متوجہ ہونا، درخواست کرنا)

(لغات فیروزی ص334)

اللہ تعالی کے اَفعال کے لئے اَغراض نہیں ہیں، کیونکہ غرض اس فائدے کو کہتے ہیں جو فعل کے کرنے والے کو کسی کام پر ابھارے......انسان جو بھی کام کرتا ہے اس سے پہلے ایک غرض ہوتی ہے مثلاً کھانا پینا، سونا جاگنا، چلنا پھرنا وغیرہ، کھانے پینے کی غرض ہماری بھوک و پیاس بنتی ہے، چلنے پھرنے کی غرض ہماری ضروریات بنتی ہیں ہماری اَغراض ہمیں کسی کام کے کرنے پر ابھارتیں ہیں۔

معلوم یہ ہوا کہ اولاً غرض ہوتی ہے، پھر اس غرض کے ذریعے کوئی فائدہ حاصل ہونے والا ہوتا ہے وہ فائدہ ہمیں کسی فعل کے کرنے پر ابھارتا ہے لیکن رب تبارک وتعالی کے لئے کوئی غرض

نہیں جو اللہ تعالی کو کسی کام پر ابھارے کیونکہ غرض کسی شخص کو کام کے کرنے پر مجبور کر دیتی ہے۔

نہ اس کے فعل کے لئے غایت، کہ غایت کا حاصل بھی وہی غرض ہے:۔

غایت بمعنی علت وسبب...... جب انسان کوئی فعل کرتا ہے تو کسی نہ کسی علت یا سبب کی وجہ سے کرتا ہے ......مثلاً: بازار جانے والے سے پوچھا جائے کہ بازار کیوں جا رہے ہو؟ آپ کے بازار جانے کی علت یا سبب کیا ہے؟ یقیناً وہ بازار جانے کی علت اپنی ضرورت یا حاجت ہی بتائے گا مثلاً کہے گا کہ میرے بازار جانے کی علت محنت مزدوری کرکے پیسہ کمانا ہے پیسہ کمانے کی غرض سے بازار جا رہا ہوں......لہٰذا معلوم ہوا کہ انسان اپنے فعل کے اِرتکاب میں علت وسبب کا محتاج ہوتا ہے اور علت کا مآل (یعنی نتیجہ) بھی غرض ہی ہوتا ہے۔

نہ اس کے اَفعال علت وسبب کے محتاج ہوتے ہیں، اس نے اپنی حکمت بالغہ کے مطابق عالم اسباب میں مسببات کو اسباب سے ربط فرما دیا ہے:۔

انسان کسی بھی فعل کے ارتکاب میں غرض کا محتاج ہوتا ہے، وہ جو بھی کام کرتا ہے اس سے...... پہلے ایک غرض، ضرورت، حاجت ہوتی ہے جو انسان کو اس فعل پر ابھارتی ہے، مثلاً ٹھنڈا پانی پینے کی غرض پہلے سے ایک حاجت، ایک سوال، ایک طلب بنتی ہے......

خلاصہ یہ ہے کہ جب انسان کچھ اَفعال کرتا ہے تو ان افعال سے پہلے کچھ اغراض ہوتی ہیں وہ اغراض انسان کو افعال پر ابھارتی ہیں......اسے یوں سمجھئے کہ اگر انسان کو پیاس نہ لگے تو انسان کبھی پانی نہیں پیئے گا......اسی طرح خواہش کے بغیر کوئی چائے، بوتل، شربت، وغیرہ بھی نہیں پیئے گا......بھوک

نہ لگے کھانا نہیں کھائے گا......اسلئے کہ جب تک غرض نہیں ہوگی انسان فعل نہیں کرے گا اس سے معلوم ہوا کہ انسان اپنے اَفعال کے ارتکاب میں فعل سے پہلے غرض کا محتاج ہوتا ہے وہ غرض اس سے کہتی ہے کہ یہ کام کرو، پھر انسان سے کوئی فعل صادر ہوتا ہے۔

لیکن اللہ تعالی کا کوئی بھی فعل کسی غرض کا محتاج نہیں ہوتا، کیونکہ غرض، حاجت، ضرورت ہمیں کسی فعل پر ابھارتی ہیں......تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ غرض، حاجت یا ضرورت ہے اس فعل کا سبب یا علت ہے اور جس فعل کی کوئی علت بنتی ہے اس فعل کو مَـعْـلُـوْل کہتے ہیں اسے آپ درجِ ذیل مثالوں سے سمجھ سکتے ہیں:

مثال نمبر (1) مثلاً: دن کے روشن ہونے کی علت سورج کا نکلنا ہے، تو سورج کا نکلنا علت اور دن کا روشن ہونا معلول کہلائے گا۔

مثال نمبر (2) ایک شخص خوف میں مبتلا ہے، اب جو خوف کا سبب بن رہا ہے وہ علت ہے اور خود خوفزدہ شخص معلول کہلائے گا، تو اللہ تعالی کے اَفعال کے لئے کوئی علت وسبب نہیں ہیں، بغیر کسی سبب وعلت کے اللہ تعالی کے افعال وقوع پذیر ہوتے ہیں، کہ اگر ہم اس کے اَفعال سے پہلے غرض، حاجت یا ضرورت مان لیں یا اللہ تعالی کے افعال کو کسی علت کا معلول قرار دیں تو یہ ماننا لازم آئے گا اللہ تعالی بھی فعل کے ارتکاب میں غرض کا محتاج ہے حالانکہ اللہ تعالی محتاج نہیں ہے......اسے اصطلاحی طور پر یہ بھی کہتے ہیں کہ اللہ تعالی کے اَفعال **مُـعَـلَّـلْ بِـالْاَغْـرَاضْ** نہیں بنتے (**معلل** بمعنی **معلول**، اور اَغْرَاضْ غَرْضْ کی جمع ہے) یعنی اللہ کے افعال غرضوں کے معلول نہیں بنتے۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ اللہ تعالی کے افعال کسی بھی غرض کے محتاج نہیں ہوتے یا کوئی بھی غرض و حاجت اللہ تعالی کے فعل کے لئے علت نہیں بنتی جب علت نہیں ہوتی تو اللہ تعالی کے افعال معلول نہیں بنتے اسے اس طرح بھی بیان کیا جاتا ہے کہ **اَفْـعَـالِ اِلٰهیـه مُـعَلَّلْ بِـا لْاَغْـرَاضْ** نہیں بنتے

ہیں، اس کا کمال ہی یہ ہے کہ کوئی غرض اسے فعل پر نہیں ابھارتی لیکن جب فعل کا صدور ہوتا ہے، تو فعل کے صدور ہونے کے بعد ہزاروں اغراض اسکے ساتھ وابستہ ہو جاتے ہیں لیکن وہ اغراض فعل کے صدور سے پہلے نہیں ہوتیں۔

اُس نے اپنی حِکمتِ بَالِغَہ کے مطابق عالمِ اَسباب میں مُسَبَّبَات کو اَسباب سے رَبط فرما دیا ہے:۔

حکمتِ بالغہ (حکمتِ کاملہ)...... **عَالَمِ اَسباب** (اسباب کا عالم)......

مُسَبَّبات (جس پر سبب طاری ہوا)......

اللہ کے ماسوی کو عالم کہتے ہیں یعنی اللہ کے علاوہ جو بھی ہے وہ عالم میں شمار ہوگا اور یہ یاد رکھئے! کہ انسان کا ہر کام کسی نہ کسی سبب سے ہوتا ہے بغیر سبب کے کچھ نہیں ہوتا کوئی مرتا ہے تو مرنے کا کوئی نہ کوئی سبب ضرور ہوتا ہے، کوئی پیدا ہوتا ہے تو سبب ضرور ہوتا ہے، کوئی روتا ہے تو رونے کا کوئی سبب ضرور ہوتا ہے اسی طرح خوشی غم وغیرہ کے لئے کوئی نہ کوئی سبب ہوتا ہے، تو **عَالَم اَسباب** کا مطلب یہ ہے کہ ہر چیز کے لئے کوئی سبب ہے۔

جو علتِ سبب ہوتا ہے اسے سبب کہتے ہیں اور جس کو وہ سبب ہوتا ہے اسے مسبب کہتے ہیں مثلاً: ہم آنکھ سے دیکھتے ہیں تو یہ آنکھ سبب ہے اور جس کو دیکھا وہ مسبب کہلائے گا...... اَسباب کو مسببات کے ساتھ ربط کا مطلب یہ ہے...... کہ ہم آنکھ سے دیکھتے ہیں، تو دیکھنا حاصل ہو جاتا ہے اب یہاں دیکھنے کا ربط آنکھ سے ہے کان کے ساتھ نہیں ہے...... کیونکہ اللہ تعالی نے تمام مسببات کا ربط کسی نہ کسی سبب سے ملایا ہوا ہے جیسے مذکورہ مثال میں دیکھنے کا ربط ہماری قوت بینائی سے لہذا یہ ربط اللہ تعالی کا ملایا ہوا ہے ایسا نہیں ہوتا کہ کان دیکھیں اور آنکھ سنے۔

سیدی اعلحضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ فتاوی رضویہ میں فرماتے ہیں:

مولیٰ عزوجل قادر تھا اور ہے کہ بے کسی نبی (اور آسمانی) کتاب کے تمام جہان کو ایک آن میں ہدایت (عنایت)......فرمادے **وَلَوْشَاءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَاتَكُونَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ** (پ **7**،انعام، **35**) ترجمہ کنزالایمان: اور اللہ عزوجل چاہتا تو انہیں ہدایت پر اکٹھا کر دیتا، تو اے سننے والے! تو ہرگز نادان نہ بن۔

مگر اس نے دنیا کو عالمِ اسباب بنایا، اور ہر نعمت میں اپنی حکمتِ بالغہ کے مطابق مختلف حصہ رکھا ہے، وہ چاہتا تو انسان وغیرہ جانداروں کو بھوک نہ لگتی، یا بھوکے ہوتے تو کسی کا صرف نامِ پاک لینے سے، کسی کا ہوا سونگھنے سے پیٹ بھرتا، زمین جوتنے (یعنی ہل چلانے) سے روٹی پکانے تک جو سخت مشقتیں پڑتی ہیں، کسی کو نہ ہوتیں، مگر اس (عزوجل) نے یونہی چاہا، اور اس میں بھی بے شمار اختلاف (فرق) رکھا، کسی کو اتنا دیا کہ لاکھوں پیٹ اس کے دَر سے پلتے ہیں، اور کسی پر اس کے اہل عیال کے ساتھ تین تین فاقے گزرتے ہیں۔(فتاوی رضویہ ج **29**،ص **293-296**)

تَمَّتْ بِالْخَيْرِ

☆☆☆☆☆